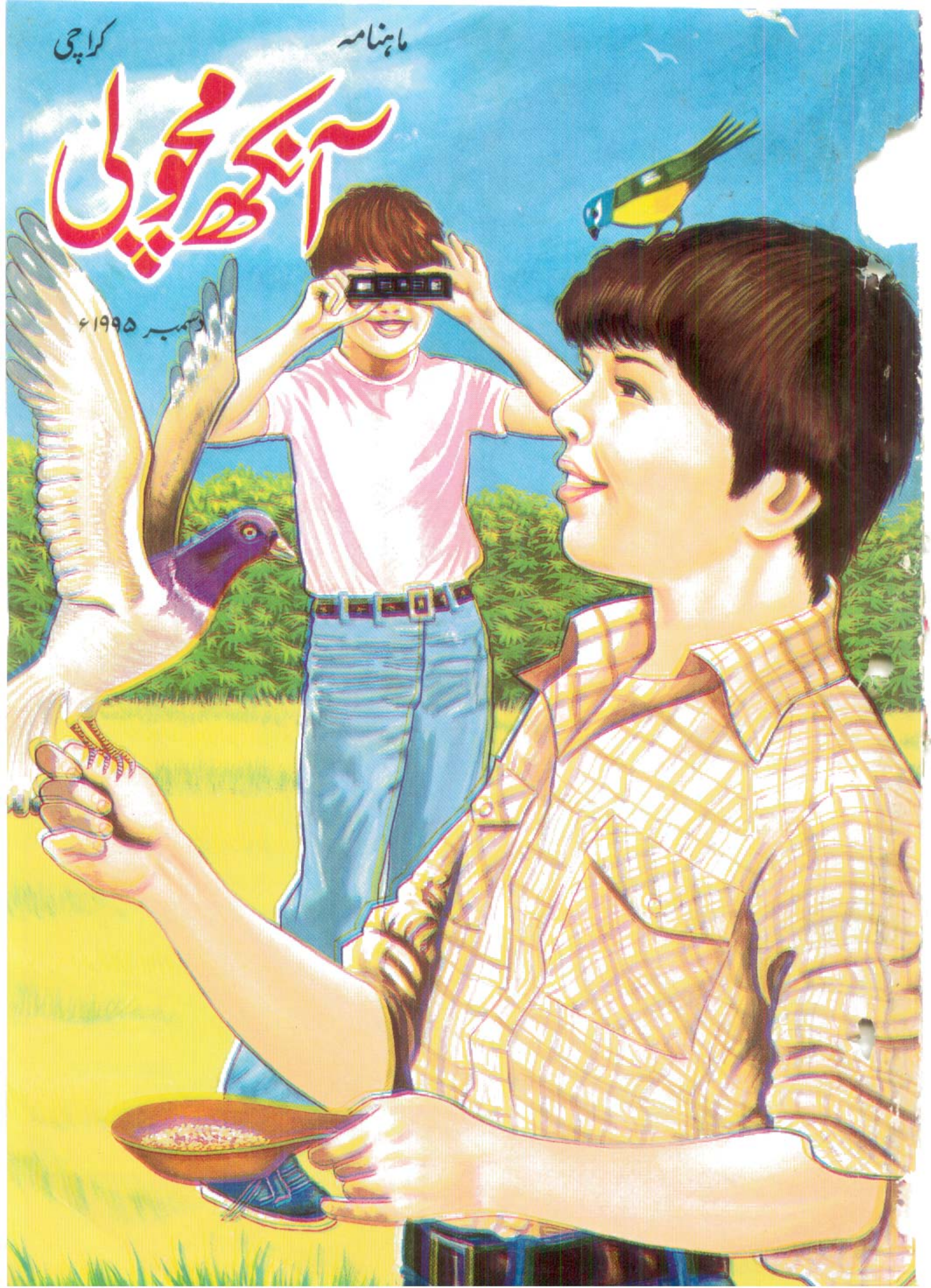

ماہنامہ
کراچی
آنکھ مچولی
دسمبر ۱۹۹۵ء

نزلہ، زکام، کھانسی، گلے کی سوزش اور خراش سے فوری آرام کیلئے
کوئس
اِنسٹنٹ
جوشاندہ
12 ساشے
کے ساتھ ایک خوبصورت گلاس کا تحفہ
بالکل مفت
QUICE
INSTANT
JOSHANDA
کوئس فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ
ہیڈ آفس: 11/139 جمال الدین افغانی روڈ ۔ نزد بہادر آباد، شرف آباد ۔ کراچی
فون: 4924814 فیکس: 4947941
لاہور برانچ آفس:
A - 32 جیل روڈ ۔ لاہور فون: 7575011
پشاور برانچ آفس:
1-2C گل پلازہ ۔ چارسدہ روڈ ۔ پشاور فون: 241945
راولپنڈی برانچ آفس:
چاند پلازہ ۔ گلی نمبر 6 ۔ پشاور روڈ ۔ راولپنڈی فون: 73 07
ملتان برانچ آفس:
معصوم شاہ روڈ ۔ سمن آباد کالونی ملتان
فون: 551895

Transworld

لمحۂ فکریہ

سورۃ فاتحہ

کا مسلمانوں سے سوال

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے
رحمان اور رحیم ہے
روزِ جزا کا مالک ہے
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور
تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں
دِکھا ہمیں سیدھا راستہ
اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا
جو معتوب نہیں ہوئے
جو بھٹکے ہوتے نہیں ہیں

نام اللہ کا اور کام شیطان کے
تعریف اللہ کی، تقلید غیر اللہ کی
رحمان و رحیم وہ، انعام و اکرام کی اُمّید کسی اور سے
روزِ جزا کا مالک وہ، خوفِ سزا کسی اور سے
عبادت اس کی اطاعت غیروں کی
مالک و مددگار وہ، طلب و اعانت دُوسروں سے
راستہ وہ دکھائے، رہبر کوئی اور ٹھہرے
آخر اُن لوگوں میں ہم کیوں شامل کئے جائیں جن پر
انعام ہوا کہ انعام تو فرمانبرداروں کا حق ہے۔
اُن لوگوں میں سے کیوں نہ ہوں جن پہ غضب ہوا
کہ غضب ہی نافرمانوں کا مقدّر ہے۔

عطیہ اشتہار

حاجی فتح محمد میموریل آرگنائزیشن

۷- حسن لشکری اسٹریٹ، بادشاہی روڈ کراچی
۸۷- بلاک نمبر ۷، خانیوال

ظُلم اور دہشت کے خلاف ایک احتجاج

آنکھ مچولی کا

مقتول بچے نمبر

خصوصی شمارہ

ایک خصوصی دستاویز

فروری ۱۹۹۶ء میں منظرِ عام پر آرہا ہے

وہ پھول سے کومل بچّے
جو گلی کوچوں میں بے گناہ قتل کر دیے گئے
اسکول جانے والے بچّے
جو اسکول سے لوٹ کر گھر نہیں آئے
تاوان وصول کرنے کے لیے اغوا کیے جانے والے بچّے
جن کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا
اور وہ تمام بچّے
جو کسی نہ کسی ظلم اور دہشت کا شکار ہو گئے
ان بچّوں کے بارے میں آنکھ مچولی میں
جیتے جاگتے فیچر، جیتی جاگتی تصویریں، الم ناک کہانیاں، اداس کر دینے والی نظمیں، مظلوم والدین کے انٹرویوز

اگر آپ کے شہر یا محلّے میں ایسے کسی بچّے کا اغوا یا قتل ہوا ہو تو
معلومات جمع کیجئے اور مضمون یا فیچر تحریر کیجئے۔
یہ ایک قومی خدمت بھی ہو گی اور تحریر کا معاوضہ بھی ملے گا!

مضامین بھیجنے کا پتہ : مدیرِ اعزازی ماہ نامہ آنکھ مچولی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آنکھ مچولی

رجب ۱۴۱۶ / دسمبر ۱۹۹۵ء

شمارہ ۶

جلد ۱۰

رُکن آ[ف]
پاکستان نیو[ز]
[پیپرز] سو[سائٹی]

رُکن پاکستان
چلڈرنز میگزین
سوسائٹی

آڈٹ بیورو آف
سرکولیشن
سے تصدیق
شدہ اشاعت

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ
تجمل حسین چشتی

مدیر اعزازی
طاہر مسعود

مجلس ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

مینیجر اشتہارات
عمران احمد

مصور
مومن رحیم

فون نمبر: ۴۹۲۲۸۵۷ ۴۹۲۸۲۱۰

ماہ نامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی

ماہ نامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ماہ نامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۵، ا۔پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

ناشر: ظفر محمود شیخ طابع: زاہد علی۔ مطبع لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ، کراچی

قیمت: ۱۸ روپے
۷ درہم ۷ ریال

تحفہ وہ جو یاد رہے

تحفہ دینا اظہارِ الفت بھی ہے، باعثِ محبت بھی اور نبیؐ کی سُنّت بھی

تحفہ

آپ کے خلوص کا اظہار اور آپ کے ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے

اپنے دوستوں اور پیاروں کو سالگرہ کا تحفہ دیجیے۔ مگر ایسا جو سال بھر یاد رہے

آنکھ مچولی ایسا ہی تحفہ ہے

آپ ہمیں اپنے دوست کا نام، مکمل پتہ، سالگرہ کا دن اور 350 روپے کا منی آرڈر روانہ کیجیے۔ ہم ایک خوب صورت برتھ ڈے کارڈ اور سال بھر کے لیے آنکھ مچولی آپ کے دوست کو بھجواتے رہیں گے۔ ماہ بہ ماہ تازہ شمارہ آپ کے دوست کو آپ کی محبتوں کی یاد دلاتا رہے گا۔

یاد رہے کہ آنکھ مچولی کے دس عام اور ۲ دو خاص شماروں کی سالانہ قیمت معہ رجسٹرڈ ڈاک خرچ 444 روپے بنتی ہے۔ مگر خصوصی تحفہ اسکیم کے لیے صرف 350 روپے

اِس رعایت سے آج ہی فائدہ اُٹھائیے

منی آرڈر فارم پر نام اور پتہ مفصل لکھیے؛
مشرقِ وسطیٰ کے لیے 650 روپے
امریکہ اور یورپ کے لیے 830 روپے

سستا اور انوکھا سالگرہ کا تحفہ

منی آرڈر اس پتے پر روانہ کیجیے

سرکولیشن مینیجر: ماہنامہ آنکھ مچولی اے پی آئی بی کالونی کراچی

حسنِ ترتیب

سنہرے حروف	ادارہ	۸
ماہِ رواں کی پہلی بات	اداریہ	۹
وتعزُّ مَن تشآء (نظم)	محمد جاوید خالد	۱۰
جاں نثارِ رسول	شہناز بانو	۱۱
تین وصیتیں	فرخندہ ضیاء	۱۷
نومی کو انعام مل گیا	حفصہ صدیقی	۲۰
وٹامن سی کیا ہے	نگہت آرا چوہان	۲۵
جابر بن حیان	اطہر رضا اجنبی	۲۶
کیلنڈر کی گواہی	حسین علی آرائیں	۲۹
دسمبر کا مہینہ (نظم)	تنویر پھول	۳۲
کالو، چھوٹو اور اماں جی	سہیل احمد صدیقی	۳۴
ایک بلا جہاز میں	ریحانہ منیر	۳۹
مولانا الطاف حسین حالی	ڈاکٹر اسلم فرخی	۴۶
کرسمس کا تحفہ	عبدالستار خان طاہر	۵۱
ملازم نہیں محافظ	عمر صدیقی	۵۷
یقین نہیں آتا	ثاقب محمود مصطفیٰ	۵۹
میرا قائد (نظم)	محمد شاھد فیروز	۶۲
خونیں چٹانیں	شگفتہ شمیم	۶۴
ہنستے ہنستے	منتخب لطائف	۶۹
میرا دوست اندھیرا ہے	عروبہ منیر	۷۴
گھپلو بھائی (نظم)	معین تابش	۷۷
اب میں کیا کروں؟	ادارہ	۷۸
ہوا یوں کہ	سچے واقعات	۸۲
ادھوری تصویریں	عبدالرشید فاروقی	۸۶
بنام آنکھ مچولی	خطوں کے جواب	۹۳
شیشہ کیسے ایجاد ہوا	ابوالظہران	۹۷
کہانی انسان کی	اسحاق منصوری	۱۰۱
قلم دوست	ننھی تحریریں	۱۰۷

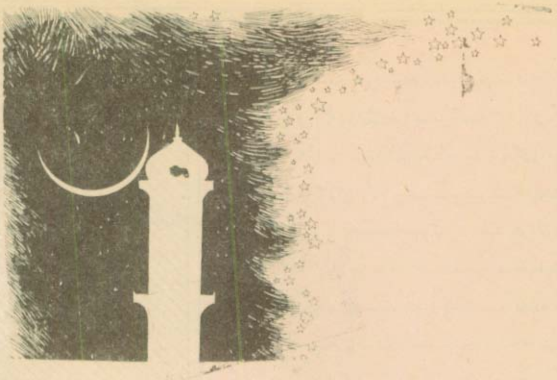

سنہرے حروف

مُغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنے ہونہار اور بہادر بیٹے اورنگ زیب کو بلخ اور بدخشاں کو فتح کرنے کیلئے بھیجا۔ اورنگ زیب میدانِ جنگ میں پہنچ کر دشمن پر حملہ آور ہوگیا۔

اس جنگ میں مُغل فوج، عبدالعزیز خاں شاہ بخارا کی فوج سے نبرد آزما تھی۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا۔ اورنگ زیب اپنی فوج کے حوصلے بڑھا رہا تھا اور کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ اتنے میں نمازِ ظہر کا وقت ہوگیا۔ اورنگ زیب جو اپنی فوجوں کو لڑانے میں مصروف تھا، نہایت اطمینان کے ساتھ ہاتھی سے اُترا اور اسی جگہ نیزوں اور تیروں کی بوچھاڑ میں جاء نماز بچھا کر نماز ادا کرنے لگا۔ مخالف لشکر کے سپاہیوں نے یہ دیکھا اور دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ انہوں نے ہاتھ روک لئے۔

عبدالعزیز خاں شاہِ بخارا نے بھی اپنے سپاہیوں سے پُکار کر کہا : "رُک جاؤ اور اپنی تلواریں نیام میں ڈال لو۔ دیکھتے نہیں اس شخص کو نماز کے آگے جنگ کے ہار جیت کی پروا نہیں۔ ایسے شخص سے مقابلہ کرنا اپنی تباہی آپ مول لینا ہے۔ لڑائی بند کردو۔"

ماہِ رواں کی
پہلی بات

دسمبر کا مہینہ جب بھی آتا ہے۔ افسوس اور صدمے سے دل بوجھل ہو جاتا ہے۔ ہم میں سے بہت سوں کو تو شاید یاد بھی نہ ہو کہ اس مہینے کیا ہوا تھا اور یہ مہینہ آتا ہے تو کیوں اپنے دامن میں اُداسی بھر لاتا ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس کی سولہ تاریخ کو ہمارا پیارا ملک ٹوٹ گیا تھا' اس کا ایک بازو جسے مشرقی پاکستان کہا جاتا تھا' راتوں رات بنگلہ دیش بن گیا تھا۔ اس کے ٹوٹنے اور بننے میں کتنا خون بہا تھا' کتنی جانیں ضائع گئی تھیں' دنیا میں ہماری کتنی ذلّت و رُسوائی ہوئی تھی' دُکھ کی بات تو یہ ہے کہ اب یہ ساری باتیں ہم بھول چکے ہیں بلکہ اب تو پاکستان اور بنگلہ دیش کے تعلقات بھی بہت اچھے ہیں۔ دونوں ملکوں میں دوستی بھی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کبھی آدمی ٹھوکر کھا کر گرتا ہے تو اُٹھ کر یہ ضرور دیکھتا ہے کہ اسے کس چیز سے ٹھوکر لگی تھی' وہ کس سے ٹکرا کر گرا تھا' یہ اس لئے ضروری ہے تاکہ دوبارہ اسی چیز سے ٹکرانے اور دوبارہ گر پڑنے سے بچا جاسکے۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ ہم لوگوں کی قومی زندگی میں اتنا بڑا حادثہ رونما ہوا' ملک کا ایک حصّہ الگ ہو گیا' نوّے ہزار فوجی قید ہوئے اور آج بھی محمد پور اور میرپور کے کیمپوں میں ڈھائی لاکھ پاکستانی بے یارو مددگار پڑے ہوئے ہیں لیکن ان الم ناک واقعات سے ہم نے بحیثیت قوم کے کچھ بھی تو نہیں سیکھا۔ جاپان کو دوسری جنگِ عظیم میں شکست ہوئی تو اس نے اپنی شکست کا بدلہ اس طرح لیا کہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور تجارت کے میدان میں خود اس ملک کے لئے چیلنج بن گیا جس سے اس نے شکست کھائی تھی لیکن ہمارے بڑوں نے نہ صرف یہ کہ ماضی سے کوئی سبق نہیں سیکھا' اس کے برعکس دوبارہ اسی راستے پر گامزن ہو گئے جس راستے پر ہمیں ٹھوکر لگی تھی' جس پر ہم گرے تھے۔ شہر کراچی کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ ملک میں بھی مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔ بچوں کے اسکول کی فیسیں' وین کے کرائے' ان کے کھلونے' ان کی کتابیں اور رسائل سبھی کچھ مہنگے ہو گئے ہیں۔ نہیں معلوم آئندہ کیا ہوگا؟ ان حالات میں تو بس دُعا ہی کی جاسکتی ہے تو آیئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمارے ملک اور ہمارے شہروں کی حفاظت فرما۔ اور ہمیں ایسے حکمران عطا کر جو ہم سے محبّت کریں اور جن سے ہم محبّت کریں۔

آپ کا دوست
طاہر مسعود

وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ

محمد جاوید خالد

دنیا کی طاقتوں سے ڈرنا مجھے ہے کیا
ہرگز نہ کرسکیں وہ کچھ فائدہ مرا
نہ ان کے چاہنے سے کچھ ہوسکے بُرا
اپنا ہی مجھ کو رکھنا بس تو مرے خدا
وَتُعِزُّمَن تَشَاء وَتُزِلُّ مَن تَشَاء

تو جس کو چاہے مالک عزت کا تاج بخشے
مخلوق کے دلوں پر الفت کا راج بخشے
کل بھی تھا تو ہی داتا، ہے تو ہی آج بخشے
تو سب سے معتبر ہے، سب سے ہے تو بڑا
وَ تُعِزُّ مَن تَشَاء وَ تُزِلُّ مَن تَشَاء

جس کو ذلیل کردے تیرا غضب خدایا
اس کو ہنر جہاں کا کوئی بچا نہ پایا
سایہ بڑے بڑوں کا اس کے نہ کام آیا
وہ گھر میں بیٹھ کر بھی رسوا بہت ہوا
وَ تُعِزُّ مَن تَشَاء وَ تُزِلُّ مَن تَشَاء

عزت ہو یا کہ ذلت پابند حکم تیرے
یارب تو ذلتوں کے رکھنا پرے اندھیرے
مجھ کو عطا ہمیشہ عزت کے ہوں سویرے
احسان مند مجھ کو رکھنا یونہی سدا
وَ تُعِزُّ مَن تَشَاء وَ تُزِلُّ مَن تَشَاء

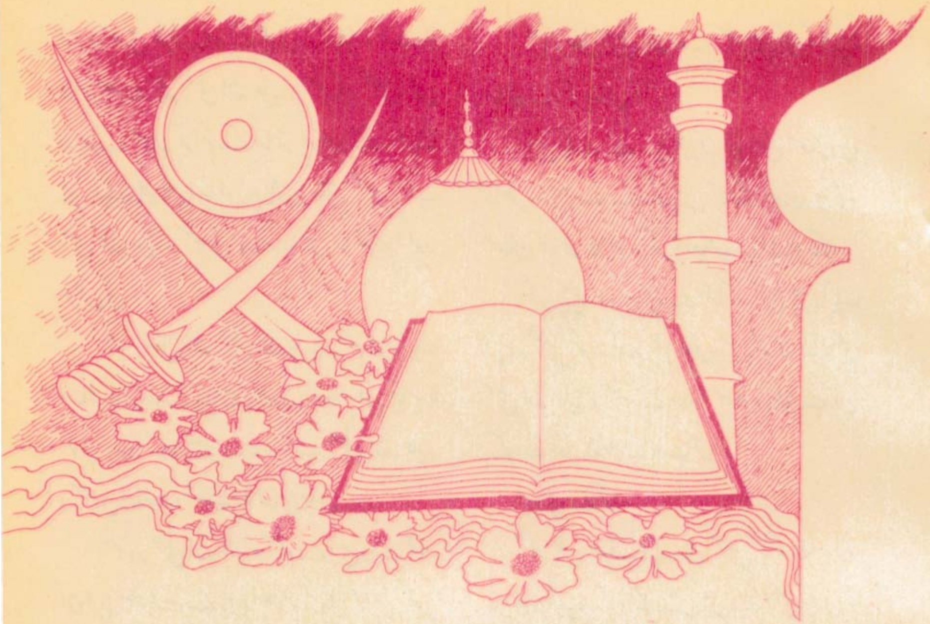

جاں نثارِ رسول

شہناز بانو

"اماں جان بہت بھوک لگ رہی ہے کھانا دیں ناں"۔ معصوم بچے نے اپنی اماں جان کا دامن پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بس میرے بچے تھوڑی دیر اور انتظار کرلو، ابھی تمہارے بابا جان آتے ہی ہوں گے۔ پھر ہم سب مل کر کھانا کھائیں گے"۔ ماں نے بڑے پیار سے اپنے بچے کو سینے سے لگالیا۔

آج گھر میں صرف ایک آدمی کا کھانا تھا، مگر اس نیک خاتون کو اپنے بھوکے شوہر کا بھی خیال تھا اس لئے انہوں نے معصوم بچے کو بہلایا کہ کہیں شوہر بھوکا پیاسا گھر آئے اور بھوکا ہی سوجائے۔ جو بھی تھوڑا بہت کھانا تھا سب مل کر دو دو نوالے کھالیتے اور یہ تسلی ہوجاتی کہ کھانا کھایا ہے اور ہمیشہ کی طرح صبر اور شکر کے ساتھ سوجاتے۔

ادھر یہ بھوکے بیوی بچے انتظار کررہے تھے

اور دوسری طرف بھوکے بچوں کے بابا، رحمتِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ موجود تھے۔ اتنے میں ایک بھوکا پیاسا اور پریشان حال شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مسافر ہوں اور مدینہ میں میرے طعام اور قیام کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت وشفقت کا محتاج ہوں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت تمام ازواج مطہرات کے ہاں معلوم کروایا کہ اگر گھر میں کچھ کھانے کے لئے موجود ہو تو مسافر کے لئے انتظام کیا جائے۔

سب جگہ سے ایک ہی جواب آیا "آج بھی گھر میں فاقہ ہے۔"

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے مبارک صحابہ کرامؓ کی طرف کیا اور ارشاد فرمایا۔"

"کوئی ہے جو آج رات اس بندے کو اپنا مہمان بنائے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر نہایت ہی خوش شکل نوجوان جن کی پیشانی نور ایمانی سے منور تھی آگے بڑھے اور کھڑے ہو کر عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا"۔

اس بات سے بے خبر کہ آیا اس مہمان کی خاطر تواضع کے لئے گھر میں کیا کچھ موجود ہو گا۔ مہمان کا ہاتھ پکڑا اور گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ آج میں ایک ایسے شخص کو لے کر آیا ہوں جس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا مہمان بنایا ہے ان کے لئے کھانے کا بندوبست کرو۔

بیوی نے کہا۔

"گھر میں صرف ایک ہی شخص کا کھانا موجود ہے اور آپ کے انتظار میں میں نے ابھی بچوں کو بھی نہیں کھلایا ہے۔ خدا کی قسم اس کے علاوہ آج گھر میں کوئی اور چیز موجود نہیں ہے۔" ان صاحب نے کہا "کوئی بات نہیں، تم کسی طرح بہلا کر بچوں کو سلا دو۔ جب وہ سو جائیں گے تب مہمان کے سامنے کھانا رکھنا، تم چراغ کو درست رکھنے کے بہانے بجھا دینا۔ اندھیرے میں صرف مہمان کھانا کھائے گا اور میں اور تم یونہی جھوٹ موٹ خالی ہاتھ اٹھا کر منہ تک لے جائیں گے۔ مہمان نہ تو کھانے کی کم مقدار کو دیکھ سکے گا اور نہ ہمارے اٹھتے ہوئے خالی ہاتھوں کو۔"

غرض ان کی بیوی نے شوہر کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور اس رات وہ دونوں میاں بیوی

اور ان کے بچے فاقے سے رہے۔

دوسری صبح جب یہ حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ آیت مبارکہ جاری تھی۔

(ترجمہ) "وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہی ہو"۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"رات کو تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر ان حضرت کا یہ حال تھا کہ خوشی سے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

یہ صحابی جن کی مہمان نوازی کو بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل ہوا، اور جن کے جذبے سے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت محظوظ ہوئے حضرت ابو طلحہ زیدؓ بن سہیل انصاری تھے۔

اسلام لانے سے پہلے حضرت ابو طلحہؓ ایک رنگین مزاج نوجوان تھے، اس وقت جبکہ اسلام مکہ کی حدود سے نکل کر مدینہ کے گھر گھر پہنچ چکا تھا، مگر ابو طلحہؓ کو اپنی مے نوشی اور رنگین محفلوں سے فرصت نہیں تھی جو اس طرف سوچتے، بس یہ کیا کہ لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا۔ جس کو فرصت ملنے پر اپنا رہبر سمجھ کر عبادت کرلیا کرتے تھے۔ پھر ان کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس نے ان کی زندگی کا رخ ہی موڑ دیا اور اس کا سہرا حضرت ام سلیمؓ کے سر ہے۔

قصہ کچھ یوں تھا کہ ابو طلحہؓ نے بنو نجار کی ایک بیوہ اُمِ سلیمؓ سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ جسے انہوں نے یہ کہہ کر رد کردیا کہ

"الحمد اللہ میں تو اللہ کے سچے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ایمان لا چکی ہوں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ تم ابھی تک لکڑی کے خود ساختہ بت کو پوجتے ہو جو کہ نہ تو تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ میں تو اللہ واحد کی ماننے والی ہوں اور تم بتوں کے پجاری، بھلا میرا اور تمہارا ملاپ کس طرح ممکن ہے۔"

حضرت ام سلیمؓ کی باتوں نے ابو طلحہؓ کے دل پر بڑا گہرا اثر کیا اور وہ دن رات ان کی وہ پر اعتماد اور فخریہ باتیں سوچتے رہتے اور پھر ایک دن ان کے پاس پہنچے اور کہا،

"میں بھی آپ کے سچے اور وحدہ لاشریک رب پر ایمان لانا چاہتا ہوں"۔ یہ سن کر حضرت ام سلیمؓ کو بے حد خوشی ہوئی۔ حضرت ابو طلحہؓ ان ہی کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

حضرت ابو طلحہؓ کے ایمان لانے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ

"اے ابو طلحہؓ میں اب تمہارے ساتھ نکاح پر آمادہ ہوں اور دنیاوی مہر معاف کر کے اپنا مہر تمہارا اسلام مقرر کرتی ہوں"۔

یہ نبوت کا تیرھواں سال تھا جب حضرت ابو طلحہؓ مسلمان ہوئے۔ آپ مکہ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بیعت سے مشرف ہوئے اور عہد کیا کہ اسلام کی راہ میں اپنی جان، مال اور ارادوں کے ساتھ مرتے دم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کریں گے۔

جن اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اس طرح کی بیعت کی، ان کا درجہ ازواج مطہرات خلفاء راشدین اور اصحاب بدر کے بعد آتا ہے اور یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعت لیلتہ القصبہ، بیعت عقبہ ثانیہ اور بیعت عقبہ کبیرہ کے ناموں سے یاد رکھی گئی ہے۔

۳ھ میں معرکہ احد ہوا تو اس میں بھی نہایت جوش ایمانی کے ساتھ شرکت کی۔ دوران جنگ حضرت ابو طلحہ زیدؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنے کھڑے رہے اور نہایت جوش سے تیر پر تیر چلا رہے تھے اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت بھی کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گردن اوپر اٹھا کر دشمنوں کی جانب دیکھتے تو حضرت ابو طلحہؓ فرماتے۔

"میرے ماں باپ آپ پر قربان، گردن اٹھا کر نہ دیکھئے مبادا آپ کو کوئی تیر لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینے کے سامنے ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ تین کمانیں یکے بعد دیگرے ان کے ہاتھ سے ٹوٹ چکیں ہیں اور آپ کی حفاظت کرتے کرتے آپ کا ایک بازو شل ہو چکا ہے اور انہوں نے کوئی اف تک نہ کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا:

"فوج میں ابو طلحہؓ کی آواز سو آدمیوں سے بہتر ہے"۔

غرضیکہ ان غزوات کے علاوہ غزوہ احزاب اور دوسرے تمام غزوات میں اسی جوش ایمانی کے ساتھ شرکت کی۔

۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو فاتحین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ان میں بھی حضرت ابو طلحہؓ شامل تھے۔

۱۰ھ میں حجتہ الوداع کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پیارے نبیؐ نے جب حج کے بعد حلق کروایا تو سر اقدس کے بائیں طرف کے تمام موئے مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہؓ کو عنایت فرمائے اور اس بیش بہا نعمت کو پا کر حضرت ابو طلحہؓ بار بار اللہ کے آگے سجدۂ شکر بجالاتے۔

یہ ۱۱ھ ہے۔ آج دنیا کے سارے مسلمانوں پر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں رحمت للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب حقیقی سے جا ملے ہیں۔ اب پیارے نبی کی آخری آرام گاہ کی تیاری کا مسئلہ ہے تو تمام صحابہ کرام کی نگاہ حضرت ابو طلحہؓ اور ابوعبیدہ بن جراحؓ پر پڑتی ہے۔

اس لئے کہ ابو طلحہؓ بغلی قبر کھودنے کے ماہر تھے اور پیارے نبی بغلی قبر پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ پیارے نبیؐ کی ابدی آرام گاہ کی تیاری کا شرف بھی حضرت ابو طلحہؓ ہی کو حاصل ہوا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حضرت ابو طلحہؓ کا دل دنیا سے اچاٹ ہوگیا۔ اس لئے وہ شام چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں بھی ایک پُر جوش مجاہد کی حیثیت سے شرکت کی۔

جب پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل کو بہت بے چین کرتی تو مدینہ منورہ تشریف لے جاتے اور روضہ اقدس پر اپنا وقت گزارتے۔

حضرت ابو طلحہ زیدؓ کا شمار بھی نہایت جلیل القدر اور ان صحابہ میں ہوتا ہے کہ جن کا زیادہ تر وقت ایمان لانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزرا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے باوجود آپ نے روایت حدیث میں نہایت احتیاط سے کام لیا۔ اس لئے آپ سے صرف بانوے احادیث مروی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہؓ کے جوشِ ایمانی کی نہایت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ان کے گھر جب بھی کوئی چیز آتی جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت اقدس میں نہ بھیج لیتے چین نہیں ملتا تھا اور یہ بات حضور بھی بخوبی جانتے تھے کہ وہ سراپا اخلاص ہیں اس لئے ان کی بھیجی ہوئی معمولی چیز کو بھی قبولیت بخشتے تھے۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہوا کوئی حکم بھی ایسا نہ تھا کہ جس کی تکمیل وہ اپنا جزوِ ایمانی نہ سمجھتے چاہے اس حکم کی تعمیل میں ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ پیارے نبیؐ سے محبت کا یہ عالم تھا، حضرت ابو طلحہؓ نہیں چاہتے تھے میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کانٹا بھی چبھے' اس کا ثبوت غزوہ اُحد اور غزوہ حنین ہیں جن میں انہوں نے جس جانبازی اور فداکاری کی مثال قائم کی۔ اس محبت نے انہیں جان نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صف میں ایسا مقام عطا کردیا کہ جس پر دوسرے صحابہ کرامؓ رشک کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ آیت سنی،

"(ترجمہ) تمہیں ہرگز ثواب نہ ملے گا کہ جب تک تم اپنی عزیز ترین دولت اللہ کی راہ میں خرچ نہ کردو۔"

تو اپنی دولت اور جائیداد اللہ کی راہ میں خرچ کردی۔

ایک دن سورہ التوبہ کی تلاوت کررہے تھے۔ اور اس آیت پر پہنچے۔

(ترجمہ) ہلکے ہو یا بوجھل نکلو اللہ کی راہ میں اور اپنی جان ومال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

تو دل میں جذبۂ جہاد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حالانکہ اپنی زندگی میں متعدد جہادوں میں شرکت کرچکے تھے۔ اپنے اہل وعیال سے خیال ظاہر کیا کہ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں جبکہ ان کی عمر ستر سال کے لگ بھگ تھی۔ کثرتِ صوم وصلوۃ سے جسم لاغر ہوچکا تھا۔ اس لئے گھر والوں نے روکا اور کہا کہ آپ اپنی زندگی میں متعدد جنگوں میں حصہ لے چکے ہیں، اب آپ کے اندر جہاد کی طاقت نہیں ہے۔ اس لئے آرام فرمائیے۔

لیکن حضرت ابوطلحہؓ اپنی بات پر اڑے رہے اور اس ضعیف العمری میں بھی یہ جلیل القدر مجاہد اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

۵۱ھ کی بات ہے، یہ دور حضرت امیر معاویہ کا تھا۔

اس زمانے میں ایک بحری مہم تسخیرِ قسطنطنیہ کے لئے روانہ ہورہی تھی۔ اس میں شامل ہوکر جہاز میں سوار ہوگئے۔

ضعیفی کی وجہ سے بدن میں طاقت بہت کم تھی اس لئے ایک دن جب جہاز طوفان بادوباراں میں گھرا اور ہچکولے کھانے لگا تو اللہ کے اس محبوب بندے کی روح شوقِ ملاقاتِ ربی میں بدن کا قید خانہ چھوڑ کر اپنے رب سے جاملی۔

سات دن کے بعد جہاز کنارے پر لگا۔ اور سات دن تک آپ کا جسم اسی طرح رہا اس میں ذرا تغیر نہ ہوا۔ لوگوں نے خشکی پر اتر کر اسی جزیرہ میں آپ کی آخری آرام گاہ بنادی۔

غرض یہ کہ حضرت ابو طلحہؓ کے اخلاق پر کسی پہلو بھی نظر ڈالیں ان کی زندگی اللہ اور رسولؐ کی محبت سے پُر نظر آتی ہے۔ ان کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وضاحت

نومبر ۹۵ء کے شمارے میں شائع شدہ کہانی "نمک سے موت" میں ایک جملہ "جرمنی کا منفرد یہودی گرین فیلڈ گریکس ۱۹۶۱ء میں کراچی آیا۔" غلط چھپ گیا ہے۔ صحیح جملہ یوں ہے۔

"جرمنی کا مفرور یہودی گرین فیلڈ گریکس ۱۹۱۶ء میں کراچی آیا۔" (ادارہ)

3 وصیتیں

فرخندہ ضیاء

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ کسی ملک میں ایک تاجر ہوا کرتا تھا۔اس کے تین بیٹے تھے جو بہت بے وقوف تھے اور کسی کام کو وقت پر نہیں کرتے تھے۔ تاجر کو ان کی بڑی فکر تھی کہ اس کے مرنے کے بعد یہ کاروبار سنبھال نہیں سکیں گے۔ تاجر اکثر بیمار رہا کرتا تھا۔ ایک دن تاجر بہت سخت بیمار ہوگیا۔اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور ان کو تین وصیتیں کیں۔

پہلی وصیت یہ تھی کہ "ہمیشہ کام پر چھاؤں میں جاؤ اور چھاؤں میں واپس آؤ۔"

دوسری وصیت یہ کی کہ "کسی کو قرض دے کر واپس نہ لینا۔

تیسری وصیت یہ تھی "جب کوئی مشکل آن پڑے تو گھر کے پچھلی طرف والے کنویں سے مانگ لینا۔"

پھر تاجر نے کہا : "اگر تم نے ان وصیتوں پر عمل کیا تو ساری زندگی گھاٹے کا سودا نہ ہوگا۔"

تاجر کے مرنے کے بعد تینوں بھائیوں نے

آپس میں وعدہ کیا کہ ہم باپ کی وصیت کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ پہلی وصیت پر انہوں نے اس طرح عمل کیا کہ وہ کام پر دھوپ میں چھتری لے کر جاتے اور چھتری لے کر واپس آتے کیونکہ باپ نے انہیں چھاؤں میں جانے اور آنے کی تلقین کی تھی۔

دوسری وصیت پر اس طرح عمل کیا کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو قرض دے تو دیا لیکن واپس نہیں مانگا۔ اس طرح وہ اپنی دولت لٹاتے رہے۔ اور ایک دن کنگال ہوگئے۔ پھر انہیں خیال آیا کہ باپ کی تیسری وصیت پر عمل کیا جائے اور کنویں سے مانگا جائے،وہ تینوں گھر کے پچھلی طرف والے کنویں پر چلے گئے۔ اور آواز لگا کر مانگنا شروع کردیا۔ "اے کنویں ہمیں بہت سی دولت دے۔" تینوں نے باری باری آواز لگائی۔ مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ تینوں بڑے پریشان ہوئے اور ناامید ہو کر واپس آگئے۔

اب تو ان کا سب کچھ بِک کر ختم ہو چکا تھا۔ تینوں بیٹے سوچ رہے تھے کہ اسی پریشانی کے عالم میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک بھائی نے دروازہ کھولا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک فقیر ہے جو کھانے کو کچھ مانگ رہا ہے۔ فقیر نے تینوں کو دیکھا کہ ان کی حالت تو خود اس سے زیادہ بُری ہے۔ فقیر نے پوچھا "کیا بات ہے؟" اس پر انہوں نے فقیر بابا کو ساری کہانی سنا دی تو فقیر نے کہا "میرے پاس تمہاری مشکل کا حل ہے۔" اس نے کہا۔ "بچو! تم اپنے باپ کی وصیتوں کو سمجھ ہی نہیں پائے۔

تمہارے باپ کی پہلی وصیت یہ تھی۔ کہ ہمیشہ کام پر چھاؤں میں جاؤ اور چھاؤں میں واپس آؤ۔ اِس کا مطلب تھا۔ صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے کام پر جانا اور شام کو سورج غروب ہونے کے بعد واپس آنا تاکہ تم زیادہ وقت کام کر سکو۔ دوسری وصیت یہ تھی کہ کسی کو قرض دے کر واپس نہ لینا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب تم کسی کو قرض دو گے ہی نہیں تو مانگنا بھی نہیں پڑے گا یعنی کسی کو قرض نہ دینا۔

اور تیسری وصیت یہ کی تھی کہ جب کوئی مشکل آن پڑے تو گھر کے پچھلی طرف والے کنویں سے مانگ لینا۔ اب فقیر ان تینوں کو کنوئیں کے پاس لے گیا اور کہا اس کنوئیں میں کود جاؤ پہلے تو وہ حیران ہوئے پھر باری باری کنوئیں میں کود گئے حیرت انگیز طور پر ان کو کنوئیں سے بہت بڑا خزانہ ملا جس سے ان کی تمام مشکلات دور ہوگئیں۔ اور انہوں نے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھ لیا۔

سبق : (یعنی ہر بات کو پہلے سمجھو اور پھر اس پر

پینوراما
PANORAMA

کھانے کے لئے بھی کھیلنے کے لئے بھی

اِس سائیکل سوار کو نہیں معلوم کہ وہ آرہا ہے یا کہیں جا رہا ہے کیونکہ اس نے اپنے سر پر برساتی ڈال رکھی ہے۔
یہ تصویر بارسلونا (اسپین) میں ہونے والے مقابلے کی ہے جس میں سارے سائیکل سواروں نے چہرہ ڈھانپ کر حصّہ لیا تھا۔

سائنس دانوں نے ثابت کیا ہے کہ پودے سوتے اور جاگتے ہیں، خوش ہوتے اور ناراض ہوتے ہیں شرماتے بھی ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ دھوپ سے بچنے کے لئے چشمہ بھی لگاتے ہیں...

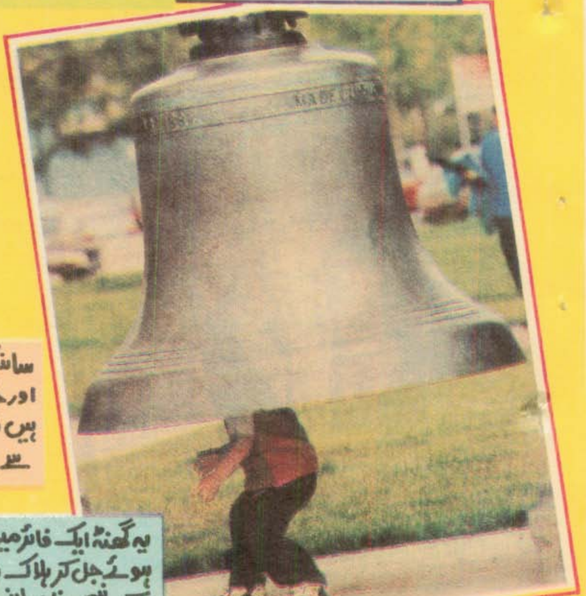

یہ گھنٹہ ایک فائر مین کی یاد میں لٹکایا گیا ہے جو آگ بجھاتے ہوئے جل کر ہلاک ہو گیا تھا۔ ایک بچّہ بارش والے دِن اِس کے نیچے پناہ لینے کے لئے چُھپ گیا ہے...

سلمان خان

نومی کو انعام مل گیا

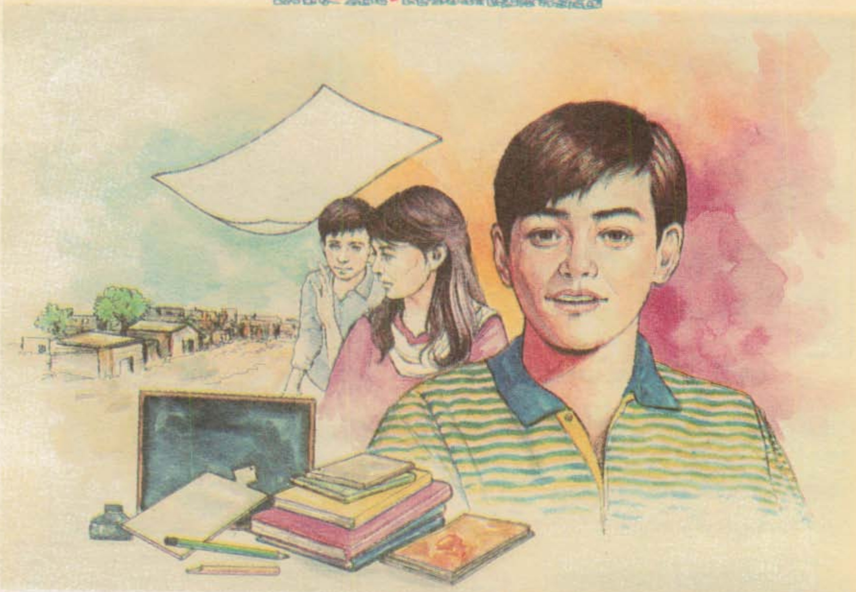

حفصہ صدیقی

"باجی ایک سوال کا جواب بتائیں۔"

"پوچھو......." میں نے بے زاری سے کہا۔

"بتائیں بندر کو ڈیپ فریزر میں تین حصوں میں کیسے رکھیں گے؟"

"لو بندر کو ڈیپ فریزر میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہے نا!! آپ بتائیں۔"

"تین دروازوں والا دیوز خرید لیں گے........"

"نہیں آپ بتائیں ......" وہ نومی کیا جو جان چھوڑدے۔

"بتایا تو ہے بھئی تین دروازوں والا ڈیپ فریزر خرید لیں گے۔"

"نہیں یہ غلط جواب ہے اب بتائیں......؟" اب وہ مصالحانہ انداز پر اتر آئے۔

"ڈیپ فریزر کو کھولیں گے بندر کو رکھیں گے اور ڈیپ فریزر بند کردیں گے۔" میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"صحیح......"

"کیا یہ صحیح جواب ہے؟"

"اور کیا اب میں آپ سے معلومات عامہ کے

سوالات تو پوچھنے سے رہا۔"
"اچھا بتائیں چار ہاتھی ایک فوکسی میں کس طرح آئیں گے؟"
"اب تم سارے جنگل کے مسائل مجھ سے ہی حل کرواؤ گے؟"
"جنگل میں فوکسی نہیں ہوتی۔" اطلاع دینے والا انداز تھا۔
"مگر ہاتھی تو ہوتا ہے۔" میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔
"اچھا بتائیں تو۔" پھر اصرار کیا۔
"ہار مانی۔" میں زیادہ طویل بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔
"مان لی۔" نومی کے لئے حیران ہونے کا ہی مقام تھا۔
بہت آسان جواب ہے۔" دو آگے بیٹھیں گے دو پیچھے۔"
"بہت بدتمیز ہو تم یہ کوئی سوال ہے۔" میں دوبارہ کام میں مصروف ہو گئی۔
تھوڑی دیر بعد دیکھا تو نومی صاحب پھر ٹہلتے ہوئے چلے آرہے تھے۔
"باجی......." انداز خاصا معصومانہ تھا۔
"ہاں اب کیا ہوا؟؟"
"شیر کی شادی تھی سب جانور شریک ہوئے بندر نہیں آیا۔"
"شیر نے کارڈ نہیں دیا ہوگا۔"
"نہیں سب جانوروں کو بلایا تھا۔"
"مسز بندر نے منع کر دیا ہوگا یا وہ درخت پر لٹک گئے ہوں گے۔" میں نے تیزی سے کہا اور کتابوں میں دوبارہ سر گھسالیا۔
"بتادیں نا......." انداز ایسا تھا جیسے ادھار مانگ رہے ہوں۔
"بھئی مجھے نہیں پتہ۔" میں نے نہیں پر بہت زور دیتے ہوئے کہا۔
"بہت کوڑھ مغز ہیں آپ، بھئی وہ ڈیپ فریزر میں جو بند تھا۔"
"اچھا ایک سوال کا جواب دے دیں۔ پھر تنگ نہیں کروں گا۔"
"بولو۔"
"کچھ لوگ سینما دیکھنے گئے ایک آدمی نے باہر سے ہی کہہ دیا یہاں ہاتھی بھی آئے ہیں بھلا کیسے؟"
"بھئی وہ محکمہ جنگلات میں ملازم ہوگا۔"
"نہیں۔"
"بس اب تم جاؤ سارا ٹیمپو توڑ دیا اور گینک کیمسٹری پڑھی ہو تو پتہ چلے ٹیمپو کیا ہوتا ہے۔"
"اچھا چلیں سوچ کر بتادیجئے گا۔"
ایسا نہیں تھا کہ نومی میرا اکلوتا بھائی تھا یا میں نومی کی اکلوتی بہن تھی لیکن سب بہن بھائیوں

میں ہم دونوں کی بنتی بہت تھی حالانکہ میں بی ایس سی کی طالبہ تھی اور نومی نویں میں تھا۔ نومی کی حرکتیں اور فضول قسم کے سوالات ہضم کرنے کا حوصلہ میرے ہی اندر تھا۔ وہ ایسا بد تمیز بھی نہیں تھا نہ کند ذہن بلکہ اس کی ذہانت پر مجھے فخر محسوس ہوتا تھا۔ ہر سال کوئی نہ پوزیشن بھی لے ہی لیتا تھا۔ لیکن اس وقت میری بے زاری کی وجہ نومی نہیں بلکہ اورگینک کیمسٹری تھی میں اس سے سر کھپا رہی تھی اور وہ مسلسل میرے صبرو برداشت کا امتحان لے رہا تھا۔

--- ○ ---

ابھی کالج سے آکر میرا پسینہ بھی خشک نہیں ہوا تھا کہ نومی صاحب کی مسکراتی ہوئی شکل نظر آئی۔

"کیا ہوا؟؟" (شکل کے زاویئے ایسے تھے کہ "کیا ہوا" برمحل تھا)۔

"کچھ ہوا تو نہیں ہے۔" انداز وہی فلسفیانہ تھا۔

"اچھا کیا ہونے والا ہے؟"

"اگر آپ اچھی سی بہن بن جائیں تو بتاؤں ....."

مسئلہ ٹیڑھا ہی لگتا تھا۔

"وہ تو میں ہوں اس میں بننے والی کیا بات ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا؟؟" انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

"ٹھیک ہے مت بتاؤ ویسے بھی مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ نماز پڑھ کر لمبی سی نیند لینی ہے۔" میں نے بے نیازی اختیار کرلی اور کمرے سے نکل گئی۔

"اچھا چلیں آپ کھانا کھالیں اور نماز پڑھ لیں پھر مل کر آہ وزاریاں کریں گے۔"

"نومی تم پٹو گے کسی دن میرے ہاتھوں سے۔"

"ہاں اب بتاؤ کیا مسئلہ درپیش ہے۔" ابھی میں نماز پڑھ کر اٹھی تھی کہ وہ میرے سامنے حاضر تھا۔

"ہمارے اسکول میں تقریری مقابلہ ہو رہا ہے۔"

"اردو میں؟؟"

"دونوں میں مگر میں اردو میں کروں گا اور اردو مقابلے کا موضوع ہے "علم روشنی، جہالت اندھیرا ہے"۔"

"ویری گڈ بہت اچھا موضوع ہے۔"

تعلیم سے متعلق موضوعات میری کمزوری رہے ہیں یہ نومی کو بھی معلوم تھا۔

"آپ تیاری کروائیں گی؟"

"تم اب تک پکے نہیں ہوئے۔ تمہارے اسکول میں ہر وقت تو تقریری مقابلے ہوتے رہتے ہیں۔"

"مگر اس مقابلے کی ایک خاص بات ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس میں اول آنے والے کو پانچ سو روپے ملیں گے۔"

"اور اول آنے والے کی تیاری کروانے والے کو کتنے ملیں گے ؟"
"سوچیں گے۔" کمال بے نیازی سے کہا۔
"ویسے نومی ایک بات ہے! اس موضوع کو تم بطور موضوع مت لو۔ واقعی مخلص ہو کر کام کرو اس پر' ایسی تقریر کرو کم از کم ایک لڑکا تو تمہاری تقریر سے جہالت کا اندھیرا دور کرنے میں مدد گار ہو؟" میں نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔
"کیا مطلب؟" نومی میری بات پوری طرح سمجھ نہیں سکا۔
"دیکھو تم اکثر و بیشتر تقریری مقابلوں میں حصہ بھی لیتے ہو اور انعام بھی مگر یہ موضوع صرف موضوع نہیں ہے ایک خیال ہے تم خود بھی اس پر سوچو ...... دیکھو۔ اشعار' دلائل' اقوال کا ایک ڈھیر تم اس موضوع پر جمع کر سکتے ہو مگر اصل بات یہ ہے کہ تم اس مسئلے کو سمجھو کہ کس طرح جہالت اندھیرا ہے۔ تم جن بچوں اور لوگوں کو دیکھتے ہو وہ تقریباً" سارے ہی کچھ نہ کچھ پڑھے لکھے ہیں مگر تصور کرو ہمارے ملک کے پچاس فی صد سے زائد بچے پرائمری تعلیم سے محروم ہیں۔ اور تقریباً" ستر پچھتر فی صد لوگ بالکل ان پڑھ ہیں۔ اس موضوع پر بے تحاشہ تقریریں ہوتی ہیں تمہاری تقریر بھی ان ہزاروں تقریروں کی طرح ہوا میں تحلیل نہ ہو جائے۔ تمہیں حقیقتاً" اس مسئلے کو سمجھنا چاہئے ..... اچھا کب ہے یہ تقریری مقابلہ ؟۔"
"اس مہینے کی تیس تاریخ کو....."
"یعنی ابھی پندرہ دن ہیں۔
"دیکھو میری ایک سہیلی کچی آبادی میں رہتی ہیں وہاں کے لوگ پڑھے ہوئے نہیں ہیں اور نہ ہی بچے اسکول جاتے ہیں۔ تم میرے ساتھ وہاں چلنا اور مشاہدہ کرنا کہ جہالت کا اندھیرا ہے کیا؟ پھر ہم مل کر تقریر تیار کریں گے اور یاد رکھو تمہیں اگر انعام نہیں بھی ملتا مگر ایک فرد بھی ایسا مل جاتا ہے جو جہالت کے اندھیرے دور کرنے کے لئے کسی ایک کو علم کی روشنی دینے پر راضی ہو جاتا ہے تو یہی تمہارا انعام ہو گا۔"
نومی کی ذہانت پر تو مجھے ہی فخر تھا مگر میری باتوں کو اس نے جس ذہانت سے قبول کیا تھا اس پر مجھے اور فخر محسوس ہوا۔
اس مقابلے کی اس نے واقعی تیاری کی میرے ساتھ کچی آبادی بھی گیا۔ میں تو اپنی سہیلی سے باتیں کرنے بیٹھ گئی وہ بہت دیر تک محلے کے بچوں اور شاید بزرگوں سے ملتا رہا۔
دلائل دینے میں تو وہ ماسٹر تھا' اشعار کا خزانہ میرے پاس تھا' اس کی بہت اچھی تقریر تیار ہوئی۔
"دیکھو بھئی پانچ سو میں سے ففٹی ففٹی ہوں

گے۔ وہ تقریری مقابلے کے لئے ہی اسکول جارہا تھا۔"

"دیکھیں گے ......" اسی پرانے والے انداز سے کہتا ہوا نکل گیا۔

حسب توقع پہلا انعام نومی نے ہی حاصل کیا تھا اس کا اندازہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس کی شکل دیکھ کر ہی ہوگیا تھا۔

"مبارک ہو!! ...... کہاں ہیں فائیو ہنڈرڈ ....." بھائی جان کو پوری صورت حال کا علم تھا۔

"بھئی اصل انعام ملنا تو ابھی باقی ہے۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسا انعام .... ؟" مجھے یاد نہیں رہا تھا۔

"لو اپنی بات بھول گئیں۔" وہ ہنسا۔

"ارے ہاں انشاء اللہ وہ انعام بھی مل جائے گا۔"

"بہرحال تمہارے فرسٹ پرائز پر میری طرف سے چائے۔"

قدسیہ نے جو مجھ سے چھوٹی تھی کمال سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور میری طرف سے چائے کے ساتھ چکن پیٹیز" بھائی جان نے اعلان کیا۔

"اور میری طرف سے نومی کوئی بھی چیز مانگ لے۔" ابو اسی وقت میں گھر میں داخل ہوئے تھے۔

واہ بھئی نومی .... میں نے نومی کو دیکھا وہ بھی مسکرادیا۔

--- ○ ---

"امی اسکول سے واپسی پر میرا انتظار مت کیجئے گا۔ مجھے کہیں جانا ہے تھوڑی دیر ہوجائے گی۔"

"کیوں بھئی کہاں جانا ہے ؟" امی ذرا ڈرتی زیادہ تھیں۔

"بس ایک کام ہے آپ پریشان مت ہوئیے گا۔" وہ تیزی سے نکل گیا۔

واپسی پر میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک بلیک بورڈ اور چند کتابیں تھیں۔

"نومی یہ کیا؟؟" میں نے حیرت سے دیکھا۔

"آپ نے کہا تھا کہ تمہاری تقریر سے کوئی ایک لڑکا بھی جہالت کا اندھیرا دور کرنے میں مددگار ہوتا ہے تو یہ تمہارا انعام ہے۔ تو وہ ایک لڑکا میں ہی کیوں نہ ہوں۔ اور ہاں میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی کچی آبادی کے بچوں کو پڑھائے گا۔ مل گیا نا میرا انعام؟؟"

"واقعی!!"

اور ہاں یہ تمام چیزیں اس انعام کی رقم سے خریدی گئی ہیں۔

نومی کے چہرے پر بھی مجھے روشنی محسوس ہورہی تھی معلوم نہیں علم کی روشنی تھی یا ذہانت کی۔

وٹامن سی کیا ہے؟

نگہت آرا چوہان

کیا آپ کو معلوم ہے کسی زمانے میں برطانوی نیوی کو "لیموں والے" کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۶۰۰ء کے اوائل میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے جہازوں پر تازہ پھل سپلائی کرتی تھی تو ملاحوں کو ترش پھل دیئے جاتے تھے۔ یہ سب ایک خطرناک مرض "اسقربوط" کو روکنے کے لئے کیا جاتا تھا جو فساد خون کی ایک قسم ہے اور سالہا سال سے ملاح اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب لوگوں کو خاصے عرصے تک محفوظ شدہ خوراک اور گوشت پر گزارہ کرنا پڑے اور تازہ سبزیاں اور پھل نہ ملیں۔ چونے کا پانی یا لیموں کا جوس اس بیماری کو روکنے میں معاون ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اس جوس میں کوئی خاص عنصر ہوتا ہے۔ آج ہم سب جانتے ہیں کہ اسے وٹامن سی کہتے ہیں۔ ملاحوں کو کھانے میں وٹامن سی اس لئے نہیں ملتا کیونکہ یہ گرمی، ہوا اور اسٹور کرنے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ اور پہلے زمانے میں جب کھانے کا ذخیرہ کیا جاتا تھا تو یہ وٹامن ضائع ہو جاتا تھا۔ اس وٹامن کے ساتھ ایک اور مسئلہ بھی ہے۔ تقریباً تمام ممالیہ جانور اپنے جگر میں اپنی وٹامن سی تیار کر لیتے ہیں چنانچہ اس کی کمی کا شکار نہیں ہوتے لیکن، انسان اور بندر ایسے ممالیہ ہیں جن میں یہ صلاحیت نہیں ہے۔ چنانچہ انہیں اس کو خوراک میں لینا پڑتا ہے اور اس کا جسم میں ہماری ضرورت کے مطابق بآسانی ذخیرہ نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ ضرورت پڑتی ہے کہ ہم مسلسل وٹامن سی لیتے رہیں۔ وٹامن سی کا بہترین ذریعہ، مالٹے، لیموں، گریپ فروٹ، ترنج اور بیریاں ہیں۔ کچھ لوگ وٹامن سی کی گولیاں بھی استعمال کرتے ہیں۔ سب سے بہترین طریقہ یہ ہے آپ متوازن غذا کھائیں اور اضافی وٹامن استعمال کرنے سے پہلے اپنے ڈاکٹر سے ضرور مشورہ کرلیں۔

جابر بن حیان

دُنیا کا پہلا کیمیا دان

اطہر رضا اجنبی

جابر بن عبداللہ حیان کے بارے میں اب تک جتنے حقائق ہمارے سامنے آئے ہیں ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس پر سب موٴرخین متفق ہوں۔ مثلاً" ان کی تاریخِ پیدائش، جائے پیدائش، تاریخِ وفات، ان کے اساتذہ اور ان کی تصانیف وغیرہ۔ لیکن ایک حقیقت ایسی ہے جس پر تمام اہالیان مغرب و مشرق متفق ہیں اور وہ یہ کہ جابر بن حیان دنیا کے پہلے ماہر کیمیا تھے۔

جابر بن حیان کا تعلق جنوبی عرب کے ایک قبیلے "ازد" سے تھا۔ اس خاندان کے لوگ بعد میں کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ جابر کے والد کوفہ سے خراسان کے شہر طوس میں آ گئے تھے اور یہیں جابر بن حیان ۷۲۲ء میں (۱۰۴ ہجری) میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالتے ہی آپ کی والدہ نے آپ کو بدوؤں کے ساتھ پرورش پانے کے لئے کوفہ کے مضافات میں بھیج دیا۔ ظاہر ہے کہ وہاں اعلیٰ تعلیم کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا جب آپ جوان ہوئے تو کوفہ میں آمدورفت ہوئی اور پھر آپ یہیں مقیم ہو گئے۔ اس زمانے میں کوفے میں بھی تعلیم و تدریس کا بڑا چرچا تھا۔ حصولِ علم جابر کا شوق ہی نہیں مقصدِ حیات بھی بن گیا اور آپ نے باقاعدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ فارغ التحصیل ہو کر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو لوگوں کو عام دھاتوں سے سونا بنانے کے خبط میں مبتلا پایا۔ چنانچہ ماحول کے زیر اثر آپ بھی اسی رستے پر چل نکلے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ نے

تجربات تو سونا بنانے کے لئے کئے تھے اور کبھی سونا بنا بھی نہ سکے مگر اس کے باوجود آپ نے تجربات ترک نہیں کئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر جابر بن حیان کو سونے میں نہیں بلکہ علمِ کیمیا اور تجربات میں دلچسپی تھی۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں بتایا کہ جابر کی تصانیف پر بھی مورّخین متفق نہیں ہیں۔ لہٰذا بیشتر کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد کم سے کم بائیس اور زیادہ سے زیادہ ستائیس ہے۔ یہ تمام کتابیں کسی ایک مضمون تک ہی محدود نہیں بلکہ مختلف علوم یعنی حساب، نجوم، ہندسہ، موسیقی، لسانیات، کیمیا، مابعد الطبیعات، علم کائنات، دینیات اور علوم اربعہ کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کتب میں دیگر علوم مثلاً طب، زراعت اور ٹیکنالوجی کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ آپ کی مشہور ترین کتابیں "کتاب الرحمت"، "کتاب التجمیع" اور "الزیاق الشرق" ہیں۔ آپ کی تمام تصانیف کا ترجمہ لاطینی سمیت یورپ کی تقریباً تمام زبانوں میں ہوچکا ہے اور تقریباً آٹھ سو، نو سو برس تک علم کیمیا آپ کی راجدھانی رہی۔ اٹھارھویں صدی میں جدید کیمسٹری کی ابتدا تک کیمیا کے بارے میں آپ کے نظریات حرفِ آخر سمجھے جاتے۔

بطور کیمیا دان جابر بن حیان کا ایمان تھا کہ علم کیمیا میں سب سے زیادہ اہم چیز تجربہ ہے اور اس مطالعے یا علم کی کوئی حیثیت نہیں ہے جس کو تجربے سے ثابت نہ کیا جاسکے۔ یہ صرف زبانی تاکید ہی نہیں تھی بلکہ آپ نے عملی طور پر بھی دنیا کو دکھا دیا کہ کچھ جاننے کے لئے کس خلوص اور لگن کے ساتھ تجربات کرنے کی ضرورت ہے۔ تجسّس کا مادہ تو قدرت نے آپ کو ودیعت کیا ہی تھا لہٰذا وہ کیمیاگری کی دھن میں طرح طرح کی دواؤں، دھاتوں اور کیمیاوی مادوں کے خواص معلوم کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ ہر وقت وہ کسی نہ کسی فکر اور تجربے میں مصروف رہتے تھے۔ ان کا گھر اچھی خاصی تجربہ گاہ بن گیا تھا۔ آپ سونا تو نہ بنا سکے مگر بے شمار حقائق کے دریافت کنندہ اور کئی چیزوں کے موجد ضرور قرار پائے۔

یہاں ایک بات بہت دلچسپ معلوم ہوتی ہے کہ جابر بن حیان اور ان کے ہم عصروں نے سائنس اور ایجادات کی دنیا میں موزوں آلات کے بغیر ہی تہلکہ مچا دیا جابر بن حیان نے قرع انبیق نامی ایک آلہ ایجاد کیا تھا جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصے میں کیمیاوی مادوں کو پکایا جاتا تھا۔ اس مرکب سے اٹھنے والے بخارات کو ایک نالی کے ذریعے آلے کے دوسرے حصے میں لے جاکر ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دوبارہ مائع میں

تبدیل ہو جاتے تھے۔ یہ عمل، عملِ کشید کہلاتا ہے۔ اور آج کل بھی جو آلہ اس عمل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وہ قرع انبیق سے مشابہہ ہے۔اس آلے کو ریٹارٹ کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ جابر نے اپنے اس آلے میں پھٹکری ہیراکس اور قلمی شورہ ڈال کر پکایا تو اس میں سے بھورے رنگ کے بخارات نکل کر آلے کے دوسرے حصے میں جمع ہوگئے جو تانبے کا بنا ہوا تھا۔ حاصل شدہ مادہ اتنا تیز تھا کہ برتن گل کر اس میں سے سیال ٹپکنے لگا۔ جابر نے اس سیال کو ایک چاندی کی کٹوری میں جمع کرنے کی کوشش کی تو اس میں بھی سوراخ ہوگئے۔اب آپ نے یہ سیال چمڑے کی تھیلی میں انڈیل دیا لیکن وہ بھی جل گئی۔ اس مائع نے آپ کی انگلی بھی جلا ڈالی۔ اس کی تیزی میں قلمی شورے کی تیزی کا عنصر غالب تھا چنانچہ آپ نے اس کو قلمی شورے کا تیزاب قرار دیا جس نے سونے اور شیشے کے علاوہ ہر چیز کو جلا دیا تھا۔

اپنی اس کامیابی کے بعد آپ مزید تجربات میں جُت گئے۔ نتیجے کے طور پر وہ بہت سے کیمیاوی مادوں کے دریافت کنندہ کی حیثیت سے آج بھی زندہ ہے۔ آپ نے شورے کے علاوہ گندھک کا تیزاب یعنی سلفیورک ایسڈ اور ایکوا ریجیا بنایا۔ آپ نے ایک ایسا تیزاب بنایا جس سے سونے کا پگھلایا جاسکتا تھا۔ آپ نے عملی تکلیس یعنی دھات کا کشتہ بنانے کے عمل میں اصلاحات کیں اور بتایا کہ دھات کا کشتہ بناتے وقت اس کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ عمل کشید اور فلٹر کا طریقہ بھی آپ ہی نے ایجاد کیا۔ آپ نے قلماؤ یعنی (Crystalisation) کا طریقہ دریافت کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے تین قسم کے نمکیات دریافت کیے۔آپ نے فولاد بنانے،لوہے کو زنگ سے بچانے اور لوہے پر وارنش کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ ساتھ ہی ساتھ آپ نے موم جامہ بنایا، چمڑے کو رنگنے کا طریقہ بتایا اور بالوں کو رنگنے کے لئے خضاب تیار کیا۔

زمانہ اپنی چال چلتا رہا اور جابر بن حیان دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھے بھٹی میں کوئلے جھونکتے رہے۔ طرح طرح کے کیمیاوی مرکبات کو قرع انبیق میں پکاتے رہے۔ جس میں سے خارج ہونے والے زہریلے دھوئیں سے آپ کی بینائی متاثر ہوتی رہی۔ تیزابوں کے اس کھیل میں آپ کی انگلیاں فگار رہتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ ۸۱۵ء مطابق ۲۰۰ ہجری میں طوس کے مقام پر جابر کا انتقال ہوا۔ بعض کتب میں یہ سن ۸۱۷ء ملتا ہے۔ لیکن کیا وہ واقعہ مرگئے؟ یا اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھے بیٹھے ہی زمانے سے جیت گئے اور آنے والی نسلوں کو روشنی کا پتا دے گئے۔

کیلنڈر کی گواہی

حسین علی ارائیں

میرے ایک ماموں وکیل ہیں۔ ان کی زندگی کے اکثر واقعات مزے دار کہانیوں سے زیادہ مزیدار ہیں ایک دفعہ ہماری فرمائش پر انہوں نے ہمیں یہ دل چسپ واقعہ سنایا۔ لیجئے یہ ان ہی کی زبانی پیش خدمت ہے۔

کافی عرصہ قبل کا واقعہ ہے کہ میں ایک مرتبہ اپنی گاڑی پر راولپنڈی جارہا تھا۔ ہٹیاں سے چند میل کے فاصلے پر میری گاڑی کا ٹائر اچانک پنکچر ہوگیا۔ اتفاق سے میرے پاس اسٹپنی نہیں تھی سڑک سنسان تھی اور کہیں قریب میں کوئی گیراج بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے مدد کے لئے گاڑیوں کو رکنے کے لئے ہاتھ دیا مگر کسی گاڑی نے رکنا گوارہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ خدا کو میری حالت پر رحم آیا اور آدھے گھنٹے بعد ایک گاڑی آکر رکی جس میں سے ایک فرشتہ صفت انسان اترا۔ اس شخص نے نہ صرف مجھے ٹائر دیا بلکہ اس کے

بدلنے میں بھی مدد کی۔ کام ختم کر کے ہم نے سڑک کنارے موجود چھوٹے سے ٹی اسٹال کا رخ کیا۔

اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ پوچھتا۔ اس نے خود ہی بتایا کہ وہ وکیل کے پاس راولپنڈی جارہا ہے۔اس نے مجھے اس وکیل کا نام اور ایڈریس بتایا تاکہ میں وکیل کو ڈھونڈنے میں اس کی مدد کر سکوں۔

اسی میز پر وہی وکیل اس کے سامنے موجود تھا۔ کیونکہ وہ ایڈریس میرا ہی تھا۔ اس کا نام خالد شہزاد تھا۔ وہ پیشے کے لحاظ سے درمیانے درجے کا بزنس مین تھا۔ اس نے اپنا کیس وہیں پر پیش کردیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ "میرا تعلق جس گاؤں سے ہے' اس کا جاگیردار مجھ سے انتہائی ناخوش ہے۔میں نے کئی مواقع پر اس کے ظلم اور جبر کے خلاف آواز اٹھائی تو وہ میرا دشمن ہوگیا وہ نہایت ظالم اور کمینہ شخص ہے۔ گاؤں کے لوگ اس کے برتاؤ سے بہت تنگ ہیں مگر اس کے خلاف زبان نہیں کھول سکتے۔ چونکہ میں نے اس کی مخالفت کی جرآت کی تھی اس لئے اس نے مجھ پر قتل کا ایک جھوٹا الزام عائد کر کے مجھے گرفتار کرادیا۔ اور بڑی مشکلوں سے ضمانت پر رہائی ہوئی اور اب عدالت میں مقدمہ چلنے والا ہے۔"

میں نے اسے یقین دلایا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ مجھے وہ آدمی اچھا لگا تھا۔ اس نے میری مدد کی تھی اور یہ بھی ایک ظالم جاگیردار کے خلاف لڑائی لڑرہا تھا۔ میں نے اس کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

عدالت میں مدعی کے گواہ نے بیان دیا کہ مقتول فضل خان' جاگیردار کی بیٹھک سے واپس گھر جارہا تھا۔ رات کے بارہ بجے تھے۔ خالد شہزاد نے جاگیردار سے دشمنی کی بنا پر فضل خان پر خنجر کے پے درپے وار کئے۔ گواہ نے بتایا کہ اس نے یہ سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اپنے مکان کی چھت پر لیٹا ہوا تھا۔ خالد کے ہاتھ میں تیز خنجر تھا جو چاند کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ جب تک وہ چھت سے اترا خالد اسے ہلاک کر کے فرار ہوچکا تھا۔" نہ جانے کیوں؟ میرا ذہن گواہ کے بیان سے الجھ کر رہ گیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اس میں کہیں جھوٹ شامل ہے چنانچہ میں نے پوری طرح بیان کو سمجھنے کے بعد گواہ پر جرح کی۔ اس دوران کمرہ عدالت میں جاگیردار پوری طرح مطمئن بیٹھا تھا۔ وہ مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا خالد کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا جبکہ خالد خاصا' پریشان نظر آرہا تھا۔ اور پریشان کیوں نہ ہوتا معاملہ قتل کا تھا۔اسے پھانسی کی سزا ہوسکتی تھی۔وہ قاتل ثابت ہوسکتا تھا۔ میں نے جرح کے دوران پوچھا کہ قتل کا واقعہ کب اور کس وقت

رونما ہوا ہے۔ گواہ نے بتایا کہ وہ ۳۰ اپریل کی رات تھی۔ بعد میں اس کیس پر غور کرتے ہوئے یکایک میری نظریں میز کے سامنے آویزاں بڑے کیلنڈر پر جا اٹکیں۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ گواہ کا جھوٹ مہینے کی تاریخ ہی میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ اور وہی ہوا اسلامی کیلنڈر پر نظر ڈالتے ہی مجھے ایک ٹھوس ثبوت مل چکا تھا۔ عدالت کے سامنے میرے دلائل نہایت پرزور تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جج صاحب نے بھی فیصلہ سنانے میں دیر نہ کی انہوں نے خالد کو باعزت بری کرنے کا حکم دیا میری جس دلیل پر عدالت نے یہ فیصلہ کیا وہ یہ تھا کہ گواہ نے اپنے بیان میں واضح طور پر کہا تھا کہ اس نے چاندنی رات میں تقریباً" بارہ بجے خالد کو چمکتے ہوئے خنجر سے مقتول کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا حالانکہ ۳۰ اپریل کی رات کو چاند کی ۲۹ تاریخ تھی اور ۲۹ تاریخ کو رات بارہ بجے چاند کہاں؟

آنکھ مچولی آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔ ہماری کاوش آپ تک اور آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

ہمارے معاون ہمارے مددگار

صوبہ سرحد و پنجاب میں "آنکھ مچولی" کے ایجنٹ

۱	افضل نیوز ایجنسی	پشاور	۶۲۵۱۵
۲	سلطان نیوز ایجنسی	لاہور	۵۸۲۴۹
۳	ملک تاج محمد	راولپنڈی	۵۵۴۳۲
۴	اے ایس حامد نیوز سروس	ملتان	۴۳۳۱۰
۵	فیاض بک ڈپو	فیصل آباد	۲۷۴۰۶
۶	اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ	
۷	سعید بک اسٹال	گجرات	۳۶۳۹
۸	پاکستان اسٹنڈرڈ بک اسٹال	سرگودھا	۶۲۹۵۱
۹	خالد بک اسٹال	گجرات	۳۷۳۱
۱۰	طاہر نیوز ایجنسی	جہلم	
۱۱	چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یارخان	۷۲۶۲۶
۱۲	مسلم بک ڈپو	سرائے عالمگیر	
۱۳	رحمت بک اسٹال	اوکاڑہ	
۱۴	رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ ضلع بہاولنگر	
۱۵	ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ	۸۷۹۸۹
۱۶	سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال	
۱۷	اسلامی نیوز ایجنسی	وہاڑی	۲۸۸۹
۱۸	کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور	۲۹۵۷

خط وکتابت کے لیے سرکولیشن مینجر" ماہنامہ آنکھ مچولی، اے پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

دسمبر کا مہینہ

تنویر پھول

دسمبر کا مہینہ آگیا ہے — یہ سوئیٹر سب کو اب پہنا گیا ہے
نہیں لسّی سے شربت سے تعلق — کہ اب قہوہ ہی دل کو بھا گیا ہے
دسمبر کا مہینہ آگیا ہے

ہوا ہے ختم گرمی کا فسانہ — تغیّر میں سدا ہے یہ زمانہ
نہیں دنیا میں کوئی چیز قائم — نرالا ہے جہاں کا کارخانہ
دسمبر کا مہینہ آگیا ہے

ہوائیں سرد اب چلنے لگی ہیں — شجر پر ننھی چڑیاں کانپتی ہیں
پہاڑوں پر ہوئی ہے ژالہ باری — ہوائیں ہم سے پیہم کہہ رہی ہیں
دسمبر کا مہینہ آگیا ہے

جسے کہتے ہیں سب ماہِ دسمبر — وہ ہے سردی کی رانی کا پیمبر
پیامِ سردی لے کر جو یہ آیا — لگی تب کانپنے مخلوق تھر تھر
دسمبر کا مہینہ آگیا ہے

غریبوں کے لئے ہے اب مصیبت — سسکتی ہے جہاں میں آج غربت
ستایا سردی نے حد سے زیادہ — ہے لازم ہم کریں ان کی اعانت
دسمبر کا مہینہ آگیا ہے

نہیں ہے پاس جن کے ایک پائی — مہیا ہم کریں ان کو رضائی
کہ ہیں اولادِ آدمؑ سارے انسان — ہوئے اس رشتے سے سب بھائی بھائی
دسمبر کا مہینہ آگیا ہے!

سنو دھوکہ ہے دولت کی نمائش — امیروں کے لئے ہے آزمائش
جنھوں نے نیکیاں زر سے کمائیں — وہی ہیں قابلِ فخر و ستائش
دسمبر کا مہینہ آگیا ہے

چلو ہم کام دکھیاروں کے آئیں — دلوں سے ان کے نکلیں گی دعائیں
یہی تو شیوۂ انسانیت ہے — یہ باتیں پھول کی سب کو بتائیں
دسمبر کا مہینہ آگیا ہے

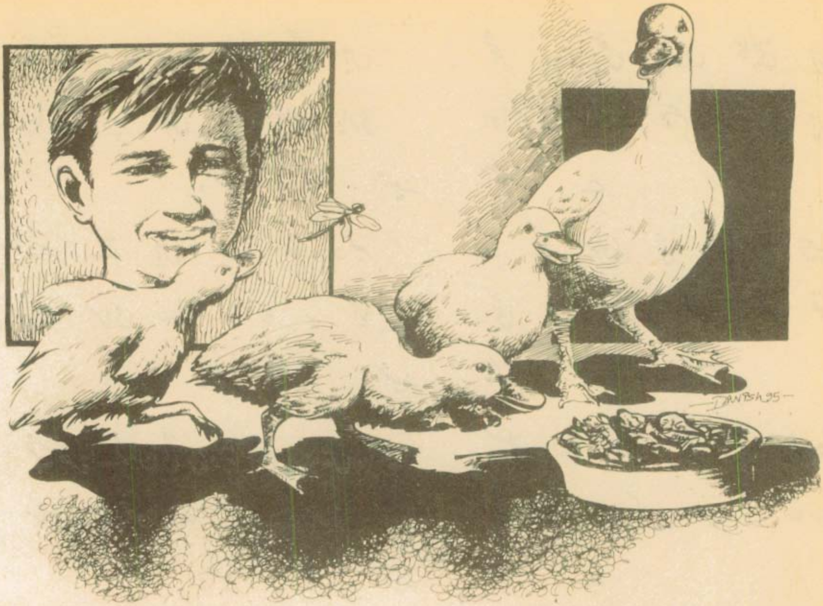

کالو، چھوٹو اور امّاں جی

سہیل احمد صدیقی

مجھے آج کالو، چھوٹو اور اماں جی بہت یاد آرہے ہیں (اور ان کے چوتھے ساتھی کو آپ گمنام سمجھ لیں) ..... نہ جانے اس وقت کہاں ہوں گے ..... کالو تو اب بہت بڑا ہوگیا ہوگا اور چھوٹو کی شرارتیں بھی بڑھ گئی ہوں گی اور اماں جی؟ اماں جی تو کھا کھا کر گول گپا پہلے ہی ہو چکی تھیں، اب تو ان سے چلا بھی نہ جاتا ہوگا!

مجھے یاد ہے جب میں چھوٹو کو اپنی چائے یا دودھ (وہ بھی شہد ملا) کی پیالی سے تھوڑا سا حصہ دینے کے لئے چھت پر جاتا تو وہ پیالی دیکھ کر ایسے دوڑتا کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ......یہی حال کالو، اماں جی اور ان کے چوتھے ساتھی کا بھی ہوتا ......ہاں ایک اہم بات! شروع میں جب یہ لوگ ہمارے گھر آئے تو ان کی بھاگ دوڑ میں اماں جی سب سے آگے ہوتی تھیں یعنی ان کی لیڈر بن جاتیں پھر کبھی کالو یہ فرض انجام دیتا مگر جوں جوں چھوٹو نے پَر پُرزے نکالے، وہی سب سے آگے رہنے لگا گویا ان کا لیڈر بن گیا..... تو کیا ہوا؟ بھئی

آخر آپ کے نانا نانی کی جگہ آپ کی امی نے' دادا دادی کی جگہ ابو نے لی اور آپ بڑے ہو کر ان سب کی جگہ لیں گے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر یہ چھوٹو' کالو اور اماں جی کون تھے؟ تو ننھے دوستو! پریشان نہ ہوں..... ابھی کچھ دیر میں معلوم ہو جائے گا۔

وہ پہلے چار تھے' پھر دو رہ گئے۔ اب حال یہ تھا کہ سب گھر والے ان کی صبح و شام خدمت میں لگے رہتے تھے..... چھوٹا ہونے کی وجہ سے چھوٹو تو سب کی آنکھ کا تارا تھا .....ویسے بھی بہت ہوشیار تھا۔ سب اشارے سمجھتا تھا' اسے کھانے کے اوقات بھی یاد تھے مگر اس سمیت ان سب کی عادت اس معاملے میں خراب تھی ..... کبھی تو گھنٹوں بھوکے پیاسے رہتے مگر اکثر وقت کا لحاظ کئے بغیر (کبھی تو رات کے بارہ ایک بجے) کھانے پینے کے لئے شور مچاتے تھے' پھر پسند کے معاملے میں بھی بہت منفرد تھے جو چیز پسند نہ آئے اسے چکھ کر چھوڑ دیتے اور منہ کو ایسے جھٹکے دیتے جیسے کوئی زہر کھلا رہا ہو' پھر چپ چاپ اپنے گھر کی طرف چل دیتے یا کبھی چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ "بھئی یہ کیا کھلا رہے ہو؟" اچھا ایک بات اور..... کبھی ان کو کوئی چیز زیادہ پسند آجاتی تو ہماری شامت آجاتی .....اب ہم دیئے جا رہے ہیں اور وہ کھائے جا رہے ہیں۔ انہیں پراٹھا' گوشت اور آلو بہت پسند تھے۔

یہ چاروں نہانے کے لئے پوز تو بہت دیتے مگر جب ٹب میں لٹا کر نہلاؤ تو بہت گھبراتے' دوڑتے بھاگتے جیسے پانی میں دم گھٹتا ہو۔ جب کبھی یہ سب مل کر دوڑتے تو اکثر ان کا توازن خراب ہو جاتا اور کوئی نہ کوئی لڑھک کر الٹا ہو جاتا ..... اگر کوئی انہیں شرارت میں دبوچ کر الٹا کر دیتا تو انہیں دوبارہ سیدھے ہونے میں وقت لگتا ..... آسمان پر کوئی پرندہ دیکھ لیتے تو ایک لمحے کو گردن موڑ کر اوپر دیکھتے پھر چکرا کر دوڑ لگاتے اپنے ٹھکانے کی طرف ..... کالی تھیلی یا ایسی کوئی چیز دیکھ لیتے تو بھی یہی حال ہوتا۔ اب کسی کی تفریح ہوتی اور ان کا خون خشک ہو جاتا..... یوں لگتا کہ اب ان کا ہارٹ فیل ہو جائے گا' ایسے میں انہیں ان کے گھر سے نکالنا بہت مشکل ہوتا۔

وہ کبھی کسی بات پر تنگ ہوتے تو کاٹنے کی کوشش بھی کرتے اور کسی سے تھپڑ کھاتے تو اداس شکل بنا کر گھر کی طرف دوڑ جاتے تھے۔

ہاں تو ساتھیو! اب تو بوجھ لیا ہوگا آپ نے؟ نہیں؟؟؟ اچھا بھئی آپ کو ایک اشارہ دیتا ہوں۔ قیں 'قیں' قیں ...... کیا سمجھے؟؟؟ بطخے یعنی بطخ کے بچے۔ بھئی میں اپنے پالتو بطخوں کی بات کررہا تھا جو اب ہمارے گھر میں نہیں رہتے.....بہت پیارے بھولے بھالے تھے .....بس گندگی زیادہ کرتے تھے' اس لئے انہیں نکال دیا گھر سے (بازار میں بیچ دیا)۔

کیا آپ ناراض ہیں؟

اگر آپ

- اس لئے ناراض ہیں کہ آنکھ مچولی میں بھیجی ہوئی تحریر شائع نہیں ہوئی تو ذرا سوچیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟
- کیا آپ کی تحریر نقل شدہ تھی۔؟
- پہلے شائع ہوچکی تھی؟
- صفحے کے دونوں طرف اور لائن چھوڑے بغیر لکھی گئی تھی۔
- پنسل سے یا اتنے مشکل رسم الخط میں لکھی گئی تھی کہ پڑھی نہیں جارہی تھی؟
- چھوٹے پُرزوں پر لکھی گئی تھی؟
- ایک ہی صفحے پر بہت سی تحریریں لکھی گئی تھیں؟
- آپ کی تحریر کا اندازِ بیان، خیال اور اسلوب بچّوں کی نفسیات سے ہٹ کر تھا؟
- آپ کی تحریر مشکل اور گنجلک تھی؟
- آپ کی تحریر میں مقصدیت کا فقدان تھا۔؟
- تو پھر سوچیئے کہ آپ کی تحریر کیونکر شائع ہوسکتی تھی۔
- اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر شائع ہو تو اوپر بیان کی گئی تمام باتوں سے بچیں۔
- یاد رکھیئے! بڑا ادیب بننے کے لئے مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

جہانِ نو

موٹر سائیکل کمر پر

یہ موٹر سائیکل ان صاحب نے ہنڈا کمپنی کی طرف سے "مقابلۂ خیال" میں پیش کی تھی۔ اس موٹر سائیکل کی یہ خوبی ہے کہ اس کو بیگ کی طرح کندھوں پر لٹکایا جاسکتا ہے۔

دس افراد کیلئے ایک موٹر سائیکل

کراچی میں تو ایک عرصہ سے حکومت نے موٹر سائیکل پر ڈبل سواری پر پابندی لگائی ہوئی ہے لیکن ہوسکتا ہے ہنڈا کی طرف سے متعارف کرائی جانے والی اس موٹر سائیکل پر دس افراد کو بیٹھنے کی اجازت مل جائے۔ یہ خوبصورت موٹر سائیکل مقابلۂ خیال کے دوران لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔

خالد خلیل

موٹر کار ڈبے میں

جی ہاں! یہ موٹر کار ایک ڈبے میں بند ہو جاتی ہے اور آپ اِس کو ایک ڈبے کی صورت کہیں بھی پارک کرسکتے ہیں اس گاڑی کو مقابلے کے دوران بہت پسند کیا گیا کیونکہ یہ پارکنگ کے لیے بہت کم جگہ گھیرتی ہے

ستره ہزار فٹ کی بلندی پر جہاز پُرسکون انداز میں اڑ رہا تھا کہ اچانک ایک زور دار دھماکہ ہوا اور......................

آبلا جہاز میں

○ تحریر ——— پیٹ بیراؤن
○ ترجمہ ——— ریحانہ منیر

۱۰ جون ۱۹۹۰ء کی صبح موسم پرواز کے لیے انتہائی مناسب تھا۔ آٹھ بجکر بیس منٹ پر برمنگھم ایئرپورٹ سے برٹش ایئرویز کا طیارہ پرواز نمبر ۵۳۹۰ اسپین کے شہر ملاگا کے لئے فضا میں بلند ہوا طیارے میں بیاسی مسافر سوار تھے۔ ان میں سے اکثر گرمیوں کی چھٹیاں منانے کے لئے وہاں جارہے تھے۔ جہاز میں کیپٹن ٹم لنکاسٹر کی آواز گونجی' خواتین و حضرات ملاگا میں بہت گرمی ہے۔ آپ اطمینان سے بیٹھئے اور پرواز کا مزہ لیجئے"۔ مسافروں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھر گئیں۔

جنوب کی جانب محوِ پرواز اس بی اے سی ون الیون جیٹ میں عملے نے مسافروں کو ناشتے کی فراہمی شروع کی۔ فلائٹ ڈیک پر بائیں سیٹ پر کیپٹن لنکاسٹر بیٹھا تھا۔ وہ ۴۱ سالہ خوش مزاج

انسان تھا۔ اس کی لاگ بک گیارہ ہزار گھنٹوں کی کامیاب پرواز کے اندراجات سے پُر تھی۔ دائیں طرف انتالیس سالہ فرسٹ آفیسر الاسٹیئر اپچی سن کی نشست تھی۔ وہ لنکاسٹر کے ساتھ پہلی مرتبہ پرواز کر رہا تھا۔ اس کی توجہ ریڈیو کی طرف تھی جس پر ایئر ٹریفک کنٹرول سے ان کے طیارے کے لئے ہدایات نشر ہو رہی تھیں۔

زمین چھوڑنے کے تیرہ منٹ بعد طیارہ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ یہاں ایئر ٹریفک کم تھی اور دونوں پائلٹ کچھ آرام کر سکتے تھے۔ لنکاسٹر نے اپنے کندھوں پر کسی ہوئی بیلٹ کو کھول دیا اور سیٹ بیلٹ کو ذرا سا ڈھیلا کر لیا تاکہ کچھ ریسٹ کر سکے۔ اس نے نیچے ایبنگٹن کے قصبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپچی سن کو بتایا کہ "وہ وہاں، بالکل ہمارے نیچے، میرا گھر ہے۔" اس کے چہرے پر مطمئن مسکراہٹ تھی۔

چند لمحوں کے بعد اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا۔ لنکاسٹر کے بالکل سامنے، بائیں طرف کی کھڑکی کا شیشہ ایک دم غائب ہو گیا۔ یوں جیسے وہاں تھا ہی نہیں۔ کیبن کے اندرونی دباؤ نے کیپٹن کو فضا میں اُگل دیا۔ اس کا آدھا دھڑ ایک جھٹکے کے ساتھ اس دو ضرب تین فٹ کے سوراخ سے باہر نکل گیا جو شیشے کے ہٹ جانے کی وجہ سے وہاں بن گیا تھا۔ طیارہ تین سو بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ رہا تھا۔ کیپٹن کا اوپری دھڑ ہوا کے مخالف سمت میں مڑ گیا تھا۔ صرف اس کی ٹانگیں سیٹ بیلٹ کی وجہ سے پھنسی رہ گئی تھیں۔

کیبن کے اندر کا دروازہ زور سے اپچی سن کے کندھے سے ٹکرایا اور پھر وہیں آلات کے پینل پر جھولنے لگا۔ لنکاسٹر کے بے قابو پاؤں کی ٹھوکر نے آٹو پائلٹ کو علیحدہ کر دیا۔ طیارہ لڑکھڑایا اور سیدھا زمین کی طرف جھکتا چلا گیا۔

اسٹیورڈ نمبر ۳ نائجل ایڈن اس وقت دروازے کے پاس اگلی رو میں کھڑا تھا۔ اس نے بجلی کی کڑک جیسی بھیانک آواز سنی وہ مڑا تاکہ صحیح صورت حال کا اندازہ ہو سکے۔ تب اس نے کیپٹن کو دیکھا۔ اس حال میں کہ اس کا آدھا جسم جہاز سے باہر تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور پھرتی سے کیپٹن کی کمر سے چمٹ گیا۔ وہ پوری قوت سے لنکاسٹر کو باہر نکلنے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ہوا کی قوت اتنی زیادہ تھی کہ اسے اپنے بازو کندھوں سے اکھڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ اسے یوں لگا جیسے وہ بھی کیپٹن کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ باہر کی جانب کھنچ رہا ہے۔ وہ پوری قوت سے مدد کے لئے چلّایا مگر ہوا کے شور نے اس کی آواز کو دبا دیا۔ اپچی سن جہاز کو کنٹرول کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

اُدھر جہاز کے اندر مسافر بڑی طرح خوف

زدہ تھے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہوا۔ کیبن دھند سے بھرا ہوا تھا۔ طیارہ لرز رہا تھا اور لگتا تھا کہ گر جائے گا۔ سیٹفنی جیکنز نے جو اپنی ماں سے ملنے ملاگا جارہی تھی، سوچا۔ "اوہ میرے خدا...... یہ تو بم لگتا ہے۔"

جہاز کے عملے کا سربراہ ۳۷ سالہ جان ہاورڈ اس وقت پانچویں رو میں مسافر کے کپ میں چائے انڈیل رہا تھا۔ صورت حال کو سمجھتے ہی وہ کیبن کی طرف دوڑا تاکہ ایڈن کی مدد کر سکے۔ ہاورڈ نے ٹوٹے ہوئے دروازے کو ایک طرف دھکیلا تاکہ ایچی سن آسانی سے جہاز کنٹرول کر سکے۔ پھر اس نے کیپٹن کی سیٹ کے پیچھے موجود جمپ سیٹ کی بیلٹ میں سے بازو گزار کر ایک ہاتھ سے ایڈن کی بیلٹ کو کس کر پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے کیپٹن کی پتلون کو۔

ایچی سن کو صورت حال کی نزاکت کا پورا پورا احساس تھا۔ جہاز میں آکسیجن ماسک موجود نہیں تھے کہ مسافروں کو فراہم کئے جاتے۔ دوسری طرف کیپٹن کی زندگی شدید خطرے میں تھی اسے دوہری مصیبت کا سامنا تھا۔ ایک تو اس بات کا خطرہ تھا کہ ہوا اسے جہاز سے باہر کھینچ لے اور وہ ہزاروں فٹ کی بلندی سے زمین پر جا پڑے۔ کہیں سمندر میں، پہاڑوں پر یا نجانے کہاں...... ہر صورت میں موت یقینی تھی۔

دوسرا خطرہ سردی کا تھا جہاز کے باہر لٹ
ہوئے کیپٹن کو تین سو بیس میل فی گھنٹہ سے چ
والی مخالف ہوا کے ساتھ ساتھ منفی سات ڈگر
فارن ہائیٹ تک گرے ہوئے درجہ حرارت
سامنا تھا۔ اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا
جس قدر ممکن ہو، تیزی اور حفاظت سے د
ہزار فٹ کی بلندی تک نیچے اتر جائے۔ کیونکہ ا
بلندی پر آکسیجن اتنی کافی ہوتی ہے کہ گیس ماسک
کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تین سو ستر میل فی گھن
کی رفتار سے غوطہ لگاتے ہوئے ایچی سن کو ا
بات کا شدت سے احساس تھا کہ اس طرح کیپٹ
بری طرح متاثر ہوگا۔ مگر اس کے علاوہ چارہ بھی
نہیں تھا۔ اس نے بار بار ریڈیو پر اپنے ساتھ پیش
آنے والے حادثے کے بارے میں پیغام نش
کرتے ہوئے غوطہ لگا دیا۔

جہاز کے اندر مسافروں کے درمیان کو
افراتفری نہیں تھی۔ بس ایک ہیبت ناک خامو
فضا پر طاری تھی۔ اسٹیفنی جیکنز نے سو
"بس اب قصہ ختم ہے...... اب موت یقی
ہے...... اب میں کبھی بھی اپنے شوہر اور ا
بچوں سے نہیں مل سکوں گی۔"

دس ہزار فٹ کی بلندی تک آنے کے ب
ایچی سن نے جہاز کو سیدھا کیا اور جہاں تک ا
کی ہمت نے ساتھ دیا، اس نے جہاز کی رفتار

کردی تاکہ ایڈن اور ہاورڈ کیپٹن کو جہاز کے اندر کھینچنے میں کامیاب ہو سکیں۔ اس نے جہاز کی اسپیڈ خطرناک حد تک کم کر کے ۱۷۰ میل فی گھنٹہ کردی۔ یوں لگا جیسے جہاز رک گیا ہو۔ مگر ایڈن اور ہاورڈ کیپٹن کو کاک پٹ کے اندر نہ کھینچ سکے۔ بیرونی ہوا کے زور کی وجہ سے اس کا جسم لاک ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے بازو بے جان ہو کر جھول رہے تھے۔ ایچی سن کو وہ بالکل ایک کپڑے کی گڑیا لگا۔

"اس کے زندہ بچے رہنے کا کوئی امکان نہیں۔ یقیناً" اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔" اس نے سوچا۔

جب پائلٹ کے کیبن میں موجود دوسرے لوگوں نے ایچی سن کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو ہوا کے شور میں اس نے چِلّا کر کہا "یہ ختم ہو چکا ہے۔"

اس دوران میں سب سے کم عمر اور مضبوط جسم کا مالک اسٹیورڈ، انتیس سالہ سائمن راجر پچھلی گلی سے آگے بڑھا تاکہ ایڈن اور ہاورڈ کی مدد کر سکے۔ اس محدود سی جگہ میں یہ تینوں مل کر پوری قوت سے کیپٹن کو کیبن میں واپس کھینچ لینے کی انتہائی جدوجہد کر رہے تھے مگر انہیں اپنی کوشش میں ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، تاہم انھوں نے اس بات کا انتظام کیا کہ جہاز کے بائیں طرف کے کنٹرول کالم سے دباؤ کم کرنے کے لئے کیپٹن کی ٹانگ کو وہاں سے اٹھالیا۔ لیکن دائیں ٹانگ کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ اس عمل سے ایچی سن کی کم از کم ایک مشکل تو کم ہوئی۔ جہاز کا عملہ اس خیال سے پریشان ہو رہا تھا کہ آیا انہیں کنٹرول فری کرنے کی خاطر کیپٹن کو جہاز سے باہر تو نہیں دھکیلنا پڑے گا۔ ایچی سن نے انکار میں اپنا سر ہلایا اور کہا۔ "جہاں تک ممکن ہو اسے مضبوطی سے تھامے رکھئے۔"

اس کشمکش میں ایڈن کے قویٰ جواب دیتے جا رہے تھے۔ اس کے دائیں بازو کی ایک رگ کھڑکی کے فریم سے رگڑ کھا کھا کر کٹ گئی تھی۔ تمام عملے کی طرح اس نے بھی آدھی آستین والی شرٹ پہن رکھی تھی اور برفیلی ہوا کی وجہ سے، جس میں سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا، اس کے بازو سن ہو چکے تھے۔ اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ جاری تھی۔ "تم اسے چھوڑ سکتے ہو۔" اس نے خود سے کہا۔ "مگر تمہیں ٹم کے خاندان کے بارے میں سوچنا چاہئے۔" مگر اس کے بازو تیزی سے بے حس ہوتے جا رہے تھے۔ وہ چِلّایا "مزید تھامے رہنا میرے بس میں نہیں رہا۔" اور پھر کیپٹن کا جسم اس کی گرفت سے نکل گیا۔

ہاورڈ اور راجر نے کیپٹن کی ٹانگوں پر اپنی گرفت مزید مضبوط کردی تھی۔ ایڈن کیبن سے

نکل کر گلی میں آیا اور ایک سیٹ پڑھے گیا۔ ائرہوسٹس تینتیس سالہ سوسن پرنس فوراً اس کے پاس پہنچی۔ ایڈن نے مردہ سی آواز میں اسے اطلاع دی۔ "ہمارا خیال ہے کہ کیپٹن مرچکا ہے........" سوسن کی پلکیں بھیگ گئیں۔ "لیکن اس وقت ہمارے کرنے کا کام ہے..... محبت" ایڈن نے اسے تسلی دی۔ سوسن نے بمشکل اپنے آنسو ضبط کئے اور ایڈن کے ساتھ مسافروں کے کیبن میں آگئی۔ تاکہ اس برے وقت میں ان کی دل جوئی کرسکے۔ ان دونوں کے آنے سے مسافروں میں کچھ اعتماد پیدا ہوا مگر انہیں اب بھی یقین نہیں تھا کہ وہ بچ جائیں گے۔

فلائٹ ڈیک پر، راجر نے کیپٹن کی سیٹ کے پیچھے موجود جمپ سیٹ کے ساتھ، ایک بیلٹ کی مدد سے، خود کو مضبوطی سے باندھ لیا تھا۔ اس نے کیپٹن کے دائیں ٹخنے کو کس کر پکڑا تاکہ جہاز کے کنٹرول سسٹم کو اس کی گرفت سے مکمل طور پر آزاد کراسکے۔ اس نے احتیاط سے ٹانگ کو ہلایا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ہلتے ہی کیپٹن جہاز سے مزید چھ انچ باہر نکل گیا تھا۔ اب اس کا اوپری دھڑ مکمل طور پر جہاز سے باہر تھا۔

چند لمحوں کے بعد جب جہاز ذرا سا بائیں طرف جھکا تو کیپٹن کے جسم میں حرکت ہوئی اور وہ سائیڈ کی کھڑکی کی طرف مڑگیا۔ ہیبت زدہ راجر نے پہلی مرتبہ کیپٹن کا چہرہ دیکھا۔ لہولہان چہرہ پھٹی پھٹی زخمی آنکھیں، باہر کو ابلی ہوئی زبان۔ ہوا کے زور اور سردی سے سکڑی جلد...... راجر کا دل دہل گیا۔ اس نے فوراً منہ دوسری طرف پھیرلیا۔ بہت سے مسافروں نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا تھا۔ شاید اپنے اطمینان کی خاطر اِن میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ خوشگوار پرواز ایک خوفناک خواب میں کیسے تبدیل ہوگئی۔

مسافروں میں ایک سابقہ پائلٹ بھی موجود تھا۔ مائیکل لارنس.... اس نے اپنی خدمات پیش کیں تو اسے جہاز کے مین ایمرجنسی گیٹ پر متعین کردیا گیا۔ یہاں جو کچھ اس نے دیکھا اسے دہشت زدہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس نے دیکھا کہ کیپٹن کا جسم دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ فرض کیجئے عملے کے افراد کی گرفت اس کے جسم پر قائم نہ رہ پائے تو یہ جہاز سے نکل کر پورٹ انجن سے جا ٹکرائے گا کیپٹن کی موت تو یقینی ہے مگر جہاز بھی ضرور تباہ ہوجائے گا۔" اس نے سوچا۔

سوسن پرنس اور ایڈن کے ہمراہ ہاورڈ نے بھی مسافروں کو تسلی دینی شروع کی اور سمجھایا کہ انہیں ان حالات میں کیا کیا کرنا ہے۔

فلائٹ ڈیک پر، راجر نے، جوکہ ابھی تک کیپٹن کی ٹانگوں کو تھامے ہوئے تھا، محسوس کیا کہ کیپٹن کے ٹخنے کو حرکت ہوئی ہے۔ پاؤں یوں تن

گیا جیسے فٹ بال کو کک لگا رہا ہو۔ اس نے اپنی گرفت اور مضبوط کردی۔ اسے یقین تھا کہ کیپٹن کی زندگی کا چراغ گل ہو رہا ہے اور یہ بجھتے ہوئے چراغ کی لو کی آخری پھڑپھڑاہٹ ہے۔

حادثے کے نو منٹ بعد آٹھ بج کر بیالیس منٹ پر ساؤتھ ایمپٹن ایئرپورٹ کے واچ مینجر، کرس رینڈل نے ایئر ٹریفک کنٹرول سے پیغام وصول کیا کہ بی اے سی ون الیون کو حادثہ پیش آگیا ہے اور وہ یہاں ایمرجنسی لینڈنگ کررہا ہے۔ اس نے فوراً ہنگامی حالت کا اعلان کردیا اور پولیس، ایمبولینس اور فائر بریگیڈ کی مدد طلب کرلی۔

دو منٹ بعد ایچی سن ریڈیو پر تھا۔ اس نے کہا "ساؤتھ ایمپٹن ...... یہ فلائٹ نمبر ۵۳۹۰ ہے۔ کیا آپ سن رہے ہیں۔" رینڈل نے اثبات میں جواب دیا اور پوچھا۔ "آپ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔"

"ہمارے کاک پٹ کی کھڑکی ٹوٹ گئی ہے۔ کیپٹن کا آدھا دھڑ جہاز سے باہر ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہلاک ہو چکا ہے۔"

ایک انجانے ایئرپورٹ پر کیپٹن کے بغیر تن تنہا جہاز کو اتارتے ہوئے ایچی سن نے صرف ایک لمحہ مسافروں سے بات کی۔ لیکن اس کی آواز پُرسکون اور لہجہ پُراعتماد تھا۔

"خواتین و حضرات، میں فرسٹ آفیسر بات کررہا ہوں۔ براہِ کرم عملے کی ہدایات پر پورا عمل کیجئے۔"

ایچی سن نے لینڈنگ کی آخری تیاریاں مکمل کیں۔ وہ ذرا نروس ہو رہا تھا۔ اس مشکل لینڈنگ کے دوران کیپٹن کے جسم کو نقصان پہنچ سکتا تھا اس چھوٹے سے ائرپورٹ پر کسی معمولی سی غلطی کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ زوردار بریک لگانے سے ٹائر آگ پکڑ سکتے تھے۔ جب اس نے اپنے سامنے ائرپورٹ پر دیکھا تو اس نے محسوس کیا کہ کیپٹن کے جھولتے جسم سے نظریں چرانا ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی اس نے خود کو سمجھایا اور یہ خیالات ذہن سے جھٹک کر اپنی پوری توجہ جہاز کی طرف مبذول کردی۔

رینڈل نے ایچی سن کو لینڈنگ کے لئے کلیر کا اشارہ دیا اور اٹھ کر کھڑکی میں آگیا تاکہ جہاز کو دیکھ سکے۔ ادھر جہاز کے اندر ہاورڈ نے درختوں کی چوٹیوں کو تیزی سے گزرتے دیکھا تو اپنے مائیکرفون میں مسافروں کے لئے ہدایات دینے لگا۔

"خبردار...... اپنے سروں کو سیٹوں سے نیچے کرلیجئے۔"

"جہاز بحفاظت اتر گیا۔ ایک مسافر ڈیوڈ کے بقول، اس نے تو بس ذرا سے جھٹکا محسوس کیا تھا۔

اسٹیفنی جیکسنز نے اسے اپنی زندگی کی پرسکون ترین لینڈنگ قرار دیا۔ جہاز کے اندر چند لمحوں تک تو سکوت چھایا رہا پھر عملے کے افراد نے تیزی سے مسافروں کو باہر نکالنا شروع کردیا۔

اس وقت آٹھ بج کر پچپن منٹ ہوئے تھے۔ فلائٹ نمبر ۵۳۹۰ کو برمنگھم سے روانہ ہوئے صرف پینتیس منٹ ہوئے تھے۔ رینڈل نے ریڈیو پر ایچی سن کے لئے شاباشی کا پیغام نشر کیا تو اس نے ہیڈ فون پر ایچی سن کے کراہنے کی آواز سنی۔

جونہی جہاز کے پہیے ساکت ہوئے۔ فائر مین جان فاسٹ نے کیپٹن لنکاسٹر کو حرکت کرتے دیکھا۔ اس نے اپنا سر اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ فوراً" ایک سیڑھی لگائی گئی اور کیپٹن کو کمال احتیاط کے ساتھ واپس جہاز کے اندر اتار لیا گیا' جان فاسٹ نے سنا' وہ بڑبڑا رہا تھا "میں کہاں ہوں؟"

چند ہی لمحوں کے اندر ایک ایمبولینس کے ذریعے کیپٹن کو ہسپتال روانہ کردیا گیا۔ جہاں ڈاکٹروں نے اس کے معائنے کے بعد اس کی حالت کو مکمل طور پر خطرے سے باہر بتایا۔ منجمد کردینے والی سردی نے اسے موت کے منہ میں جانے سے بچالیا تھا۔ اس کے داہنے بازو اور کلائی پر معمولی فریکچر ہوئے تھے۔ ایک انگوٹھا ٹوٹ گیا تھا اور لمبی لمبی خراشیں آئی تھیں۔

جب کچھ دیر بعد دہشت زدہ مسافروں کو ایک بوئنگ ۷۳۷ کے ذریعے اپنا سفر جاری رکھنے کی دعوت دی گئی تو صرف سات مسافر ایسے تھے جنہوں نے انکار کیا۔ باقی تمام اس ڈراؤ نے خواب سے جاگنے کے بعد دوبارہ چھٹیوں کا لطف اٹھانے کے لئے ملاگا کی طرف پرواز کرگئے۔

بعدازاں تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ حادثہ انسانی غلطی کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ فلائٹ سے تقریباً" تیس گھنٹے پہلے مذکورہ جہاز کی ونڈ شیلڈ تبدیل کی گئی تھی اور اس میں لگائے گئے نوے کے نوّے بولٹ سائز میں چھوٹے تھے۔ یہ کیبن کے اندرونی دباؤ کو سہارنے کے لئے ناکافی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عین سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر ونڈ شیلڈ ایک دھماکے سے اپنی جگہ سے اکھڑ گئی۔

اس حادثے کے ٹھیک پانچ ماہ بعد' اپنے بازو کی رگوں اور زخموں کے ٹھیک ہونے پر' کیپٹن لنکاسٹر دوبارہ فلائٹ ڈیک پر موجود تھا۔ ایچی سن کو اس کارنامے پر متعدد ایوارڈ دیئے گئے جن میں برٹش ائرلائن پائلٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے دیا گیا گولڈ میڈل بھی شامل ہے جبکہ عملے کے دیگر افراد کو بھی انعامات سے نوازا گیا۔ ٹم لنکاسٹر آج تک حیران ہے کہ وہ ہوابازی کی تاریخ کے اس انوکھے ترین حادثے میں کیسے زندہ بچ گیا۔ وہ کہتا ہے کہ بے شک میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں۔

مولانا الطاف حسین حالی

ڈاکٹر اسلم فرخی

دلی کے مشہور شاعر مرزا غالب اپنے دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے ایک نوجوان طالب علم الطاف حسین بیٹھے تھے۔ مرزا غالب نے کاغذ اٹھا کر میاں الطاف حسین کی غزل پڑھی پھر انہیں غور سے دیکھا اور بولے۔ "میاں الطاف حسین تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے اکثر

شاگردوں کو شعر کہنے سے منع کرتا ہوں، کیوں؟ اس لئے کہ شعر کہنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ مگر تمہارے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ اگر تم شعر نہیں کہو گے تو اپنے اوپر ظلم کرو گے۔"
الطاف حسین چپکے سنتے رہے۔ اتنے بڑے شاعر کا ان سے یہ کہنا کہ اگر تم شعر نہیں کہو گے تو اپنے اوپر ظلم کرو گے انتہا درجے کی حوصلہ افزائی ہے۔ غالب جیسا بڑا شاعر اور ایک نوجوان سے یہ کہے کہ تمہیں شعر کہتے رہنا چاہئے ورنہ تم اپنے ساتھ زیادتی کروگے اس سے بڑی سند اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہ میاں الطاف حسین دلی کے قریب کی ایک بستی پانی پت کے رہنے والے تھے۔ باپ نوعمری میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے بڑی بہن اور بھائی نے پالا تھا۔ میاں الطاف حسین کو پڑھنے لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ پانی پت میں جتنے بڑے بڑے عالم تھے سب سے علم حاصل کیا اور خوب حاصل کیا۔ الطاف حسین علم حاصل کرنے کی دُھن میں تھے۔ ادھر بھائی بہن کو یہ شوق کہ لڑکے کی شادی ہو جائے الطاف حسین سترہ برس کے تھے کہ ان کی شادی کردی گئی مگر وہ تو پڑھنا چاہتے تھے چپ چپاتے دلی آگئے اور پڑھنے لگ گئے ڈیڑھ برس اس طرح گزر گیا پھر گھر والوں کو معلوم ہو گیا سب کے سب دلی آپہنچے اور انہیں گھر واپس لے گئے۔ حصار میں ایک چھوٹی سی نوکری بھی مل گئی مگر کچھ ہی دن کے بعد جنگ آزادی شروع ہو گئی اور الطاف حسین پانی پت واپس آگئے۔

اب یہ ہوا کہ اس زمانے کے ایک عالم جاگیر دار تھے، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے مرزا غالب کے شاگرد بھی تھے۔ نواب صاحب نے الطاف حسین کو اپنے یہاں بلالیا۔ وہ نواب شیفتہ کے یہاں مصاحب کے طور پر آٹھ برس رہے۔ یہ آٹھ برس ان کی ذہنی تربیت میں گزرے نواب صاحب بڑے عالم اور بڑے شاعر تھے۔ شاعری میں سادگی اور اثر کو پسند کرتے تھے۔ الطاف حسین بھی جنہوں نے حالی تخلص رکھ لیا تھا اسی رنگ میں رنگ گئے۔ انہیں شیفتہ کے ساتھ رہنے سے بہت فائدہ ہوا۔

شیفتہ گزر گئے تو حالی لاہور چلے گئے۔ پنجاب کے محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ انگریزی سے جو کتابیں اردو میں ترجمہ ہوتی تھیں ان کی زبان درست کرتے تھے۔ ترجمے کی اصلاح کرتے تھے۔ خود بھی عربی سے ایک کتاب اردو میں ترجمہ کردی۔ لڑکیوں کے لئے قصے کے انداز میں "مجالس النساء" کے نام سے ایک کتاب لکھ دی۔ اس کتاب پر انگریزی حکومت نے انعام بھی دیا۔ کچھ اور کتابیں بھی لکھیں اور نثر لکھنے والے کی

حیثیت سے مشہور ہوگئے۔

اسی زمانے میں مولانا محمد حسین آزاد نے لاہور میں مشاعروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔نئے انداز کے مشاعرے جن میں غزلوں کے بجائے نئے انداز اور نئے خیالات کی نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔ایک عنوان پہلے سے طے ہوجاتا۔سب شاعر اسی پر نظمیں لکھتے اور مشاعرے میں پڑھتے۔ حالیؔ بھی ان مشاعروں میں شریک ہوئے چار مشاعروں میں انہوں نے چار نظمیں حب وطن، برکھارت، نشاط امیر اور مناظرہ رحم و انصاف پڑھیں۔ یہ چاروں نظمیں ایسی تھیں کہ سارے ملک میں دھوم مچ گئی سادۂ اثر میں ڈوبی ہوئی اور خوبصورت۔ آج بھی ان نظموں کو پڑھنے سے دل پر اثر ہوتا ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سادگی بھی شاعری کی بہت بڑی خوبی ہے اِن نظموں سے اردو شاعری کا انداز بدل گیا۔

لاہور میں مولانا حالی کا دل نہیں لگا دلی چلے آئے یہاں اینگلو عربک اسکول میں پڑھانے لگے۔ طبعیت میں قناعت اور مزاج میں سادگی تھی۔ دولت اور عہدے کی ہوس نہیں تھی۔ پڑھانے کے کام میں خوش رہے۔ یہ سرسید احمد کی تحریک کا دور تھا۔سرسید نے علی گڑھ میں مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کیا تھا اور قومی اصلاح کا کام زور و شور سے کررہے تھے۔مولانا حالی بھی اس کام سے بہت متاثر ہوئے۔ انہیں مسلمانوں کی تعلیم اور ترقی سے بڑی دلچسپی تھی اس لئے وہ سرسید احمد کے کاموں میں شریک ہوگئے اور سرسید ہی کے کہنے پر انہوں نے وہ مشہور نظم لکھی جس کا نام "مدّوجزر اسلام" یعنی اسلام کا اتار چڑھاؤ ہے مگر یہ نظم مسدس حالی کے نام سے مشہور ہوئی اور ایسی مشہور ہوئی کہ اس کے بند بچوں کو بھی حفظ ہیں۔ بھلا ایسا کون سا بچہ ہوگا جس نے "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا" نہ سنا ہو۔ گھروں میں، محفلوں میں، جلسوں میں ہر جگہ مسدس کے بند پڑھے جاتے ہیں۔ سرسید احمد نے جب نظم پڑھی تو بے اختیار ہو کر کہنے لگے۔ "اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا تو میں کہوں گا کہ مولوی حالی سے مسدس لکھوائی ہے۔" مولانا حالی کی نظموں سے اردو شاعری کا انداز بدلا تھا مسدس سے اردو میں قومی شاعری شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس شاعری کی بنیاد مضبوط ہوگئی۔

شاعری کے ساتھ مولانا نثر بھی لکھتے رہے۔ فارسی کے مشہور شاعر اور نثر نگار شیخ سعدی کے حالات "حیاتِ سعدی" کے نام سے لکھی بڑی اچھی کتاب ہے۔ ایک اور فارسی شاعر ناصر خسرو کے حالات لکھے پھر اپنا دیوان شائع کیا تو اس پر ایک

تفصیلی مقدمہ لکھا۔ جو "مقدمہ شعرو شاعری" کے نام سے ایک علیحدہ کتاب کے طور پر بھی شائع ہوا ہے۔ "مقدمہ شعرو شاعری" اردو زبان میں شعرو شاعری کو سمجھنے، اس کی تعریف کرنے اور بدلے ہوئے حالات، جدید تعلیم اور قومی ترقی کے لحاظ سے اس میں اصلاح کرنے کی ضرورت کو محسوس کرنے کی پہلی کوشش ہے۔ مولانا حالی کی شاعری سے شاعری کا انداز بدلا تھا۔ مقدمہ شعرو شاعری سے شاعری کو نئے سرے سے سمجھنے اور اس کے مزاج کو بدلنے کی کوشش شروع ہوئی۔ شاعری کو سمجھنے سمجھانے اور اس کی خوبیوں اور کمزوریوں کے مطالعہ کو ادبی تنقید کا نام دیا جاتا ہے۔ مولانا حالی کے مقدمۂ شعرو شاعری سے اردو میں ادبی تنقید کا رواج ہوا۔ اردو شاعری اور اس کے مزاج کو سمجھنے کے لئے آج بھی مقدمۂ شعرو شاعری پڑھنا ضروری ہے۔ یہ کتاب کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اور مولانا حالی کو اردو کا پہلا تنقید نگار کہا جاتا ہے۔

مرزا غالبؔ، حالیؔ کے استاد تھے۔ اردو اور فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے اپنے عہد کے بہت بڑے آدمی تھے۔ حالیؔ نے ان کے حالات لکھے۔ یادگارِ غالب نام رکھا کتاب کے دو حصے کئے پہلے حصے میں حالات لکھے۔ دوسرے حصے میں ان کی اردو، فارسی شاعری اور نثر نگاری پر رائے لکھی۔ یہ کتاب بہت مشہور ہوئی، بہت پسند کی گئی۔ اس کی وجہ سے غالب کی ذاتی زندگی کے بہت سے واقعات ہمیں معلوم ہوئے اور مرزا غالب کو بہتر طور پر سمجھا گیا۔

غالبؔ کے بعد حالیؔ نے سرسید کے حالات "حیاتِ جاوید" کے نام سے لکھے۔ سرسید احمد مسلمانوں کے محسن تھے۔ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی اصلاح کی، انہیں تعلیم کا شوق دلایا ایک قوم بنایا۔ حالی نے ان کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے۔ اس طرح لکھے کہ سرسید کے کارنامے تمام لوگوں کے سامنے آگئے۔ "حیات جاوید" میں سرسید کے حالات بھی ہیں اور اس زمانے کے مسلمانوں کی جدوجہد، ترقی اور محنت کی تاریخ بھی ہے۔ حالی نے "حیات جاوید" میں سرسید کے عہد کو بھی محفوظ کردیا ہے۔ "حیات سعدی" یادگار غالب اور "حیات جاوید" کی وجہ سے مولانا حالی کو اردو کا پہلا سوانح نگار سمجھا جاتا ہے۔ اردو نثر میں وہ پہلے تنقید نگار بھی ہیں اور پہلے سوانح نگار بھی۔ اردو کے پانچ نثر لکھنے والے ایسے ہیں جنہیں اردو نثر کے پانچ حواس کہا جاتا ہے۔ یہ ہیں۔

سرسید، آزاد، نذیر احمد، حالی اور شبلی۔ اردو نثر میں حالی کی بڑی اہمیت ہے۔

مولانا حالی نے شاعری شروع کی تو غزلیں

لکھتے تھے مگر ان کی غزلیں ایسی خوب صورت ہوتی تھی کہ مرزا غالب کو بھی پسند آئیں۔ ایک مدت تک غزلیں لکھتے رہے، ان کی غزلیں بھی بہت مشہور ہوئیں بہت پسند کی گئیں۔ پھر لاہور گئے تو نظمیں لکھیں یہ نظمیں بھی کمال کی تھیں جس نے پڑھیں حیران رہ گیا۔ ایسی شاعری اتنی سادہ اور آسان۔ مسدس حالی نے شاعری کا مزاج ہی بدل دیا۔ مسدس لکھنے کے بعد حالی نے غزلوں میں بھی قومی اور اصلاحی رنگ اختیار کیا۔ غزل کا انداز بدل گیا۔ دوسرے شاعر بھی اس انداز کی غزلیں لکھنے لگے۔ شاعری کے میدان میں یہ حالی کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ انہیں اردو شاعری میں بہت بڑا مرتبہ حاصل ہے۔

حالی بڑے سیدھے، ہمدرد اور قناعت پسند آدمی تھے۔ ریاست حیدر آباد نے ان کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا تاکہ وہ اطمینان سے علمی کام کر سکیں۔ ان سے پوچھا گیا کتنی رقم کافی ہوگی انہیں اس وقت اسکول میں ساٹھ روپے مہینہ تنخواہ ملتی تھی انہوں نے یہی رقم بتادی۔ وظیفہ پچھتر روپے مقرر ہوا بعد میں سو روپے ہوگیا تھا۔ وہ چاہتے تو اسکول کی نوکری بھی جاری رکھتے مگر وظیفہ ملتے ہی انہوں نے نوکری چھوڑ دی اور گھر پر لکھتے پڑھتے رہے ایسی قناعت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔

جب کوئی شخص کوئی نیا کام شروع کرتا ہے تو لوگ اس پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ سرسید احمد پر بڑے اعتراض ہوئے۔ مولانا حالی پر بھی خوب اعتراض ہوئے مگر ان کا بڑا پن یہ کہ کبھی کسی اعتراض اور برائی کا جواب نہیں دیا۔ ہر اعتراض کو خاموشی سے گوارا کرلیا۔ آخر کار سارے اعتراض کرنے والے تھک گئے اور چپکے ہو رہے۔ مولانا بڑے ملنسار تھے۔ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ دل کھول کر تعریف کرتے تھے۔ قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ انہوں نے پانی پت میں ایک اسکول قائم کیا۔ انگریزی حکومت نے ان کی خدمات کی وجہ سے انہیں شمس العلما کا خطاب دیا تھا۔ بڑے آدمی تھے۔ بڑے نثر نگار تھے، دردمند اور مخلص انسان تھے۔ سچے مسلمان تھے۔ اتنی اور ایسی خوبیوں والے انسان کم ہوتے ہیں۔

مولانا حالی اس مہینے کی اکتیس تاریخ کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ سن تھا ۱۹۱۴ء یعنی اکیاسی برس ہوگئے مگر ہر برس نے ان کے علمی اور ادبی کارناموں کی شہرت میں اضافہ کیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے کاموں کی اہمیت بڑھتی گئی ہے اور بھی بڑھے گی۔

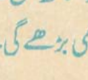

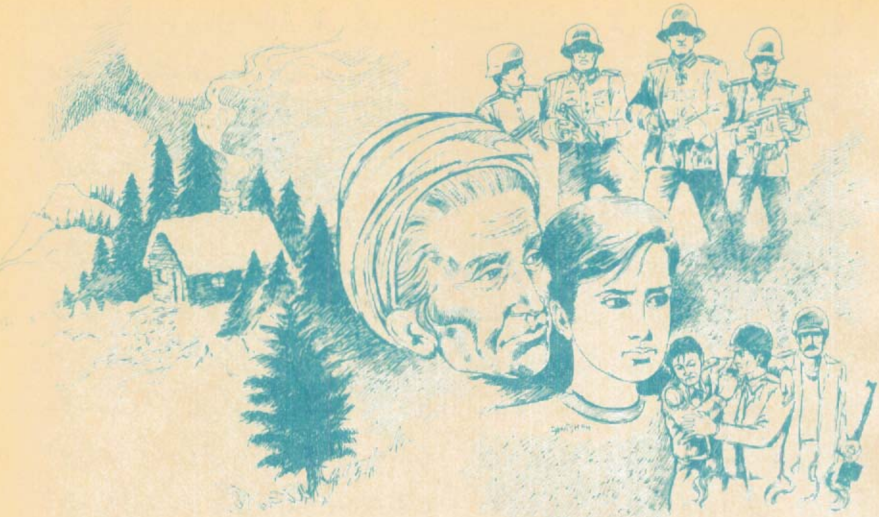

کرسمس کا تحفہ

عبدالستار خان طاہر

جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ _ ۱۹۴۵) زوروں پر تھی۔ ہر روز ہزاروں کی تعداد میں انسان مر رہے تھے اور زخمیوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ ہر طرف بارود کی بُو رچی بسی ہوئی تھی۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا اور ہر کوئی جنگ سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ جرمن اور بلجیئم کی سرحد کے قریب درختوں کے ایک چھوٹے سے ذخیرے کے درمیان ایک نہایت چھوٹا سا گھر تھا اور اس گھر کے مکینوں میں صرف ایک ماں اور اس کا بارہ سالہ بیٹا تھے۔

لڑکے کا باپ لڑائی کے دوران جرمن سول ڈیفنس کے محکمے میں ملازم تھا جو کبھی کبھی گھر آتا تھا۔ کرسمس سے نو روز قبل (۱۹۴۴ میں) جرمن فوجوں نے اتحادی فوجوں پر حملہ کر کے اس علاقے کو بھی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ماں بیٹا اس گھر میں بڑے پُرسکون انداز میں رہ رہے تھے۔ کرسمس کی شام اچانک ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ماں بیٹا پریشان ہو گئے۔ بیٹے نے آہستہ سے دروازہ کھولا مگر ماں نے فوراً اسے اپنے پیچھے

کر کے تھوڑا سا دروازہ کھولا اور باہر دیکھا۔ باہر برف سے ڈھکے ہوئے درختوں تلے وردی میں ملبوس دو فوجی کھڑے تھے۔ ایک نے آگے آکر عورت سے اپنی زبان میں کچھ کہا جو ماں بیٹا نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے بات کرتے ہوئے اپنے تیسرے ساتھی کی طرف اشارہ کیا جو برف میں لیٹا ہوا تھا۔ عورت کو یقین ہو گیا کہ وہ دشمن کے فوجی یعنی امریکی ہیں۔ دونوں فوجی ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ وہ کواڑ دھکیل کر اندر آسکتے تھے۔ لیکن انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اندر آنے کی اجازت مانگی۔ تیسرا ساتھی زخمی تھا اور بے ہوش پڑا تھا۔ عورت نے ان کو اندر آنے کی اجازت دے دی اور ان دونوں نے اپنے زخمی ساتھی کو اٹھا کر ایک بستر پر لٹا دیا۔ وہ جرمن زبان نہیں جانتے تھے، اس لئے عورت نے فرانسیسی زبان میں بات کی۔ ان امریکی فوجیوں میں ایک فرانسیسی زبان سمجھتا تھا۔ اس سے گفتگو میں آسانی ہو گئی۔ زخمی کو عورت نے اچھی طرح دیکھا اور فوراً اسے گرم کرنے کا انتظام کیا، کیونکہ سردی سے اس کے پاؤں نیلے ہو گئے تھے اور انگلیاں سوجی ہوئی تھیں۔ لڑکا بھی زخمی کے پاؤں مل رہا تھا تاکہ خون کا دورہ شروع ہو جائے۔

ان میں سے ایک کا نام جم، دوسرے کا رابن اور زخمی کا نام ہیری تھا۔ گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ یہ تینوں اپنی بٹالین سے تین روز ہوئے بچھڑ گئے تھے اور جرمن فوج سے چھپتے چھپاتے درختوں کے اس ذخیرے میں کبھی کہیں اور کبھی کہیں پناہ تلاش کر رہے تھے۔ تینوں کی عمر بیس سال سے کم معلوم ہوتی تھی۔ عورت نے انہیں کم عمر سمجھ کر ایسا ہی سلوک کیا جیسے بڑے اپنے چھوٹے عزیزوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تینوں اس کی دشمن فوج کے سپاہی تھے۔ گھر میں سبزی کے علاوہ ایک پلا ہوا مرغ تھا جو اس عورت نے نئے سال کی دعوت کے لئے رکھا ہوا تھا۔ اس کے خاوند کو نئے سال کی تقریب گھر پر ہی منانا تھی۔ عورت نے فوراً مرغ کھانے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ آلو اور دوسری سبزی تیار ہونے لگی۔ جم باورچی خانہ میں اس کی مدد کر رہا تھا۔ رابن زخمی کی دیکھ بھال میں مصروف رہا۔ عورت نے بستر کی چادر پھاڑ کر زخمی کی پٹیاں تیار کیں، باندھیں اور اسے گرم بستر میں گہری نیند سلا دیا۔ کھانا تیار ہونے میں کچھ دیر تھی۔ لڑکا میز پر برتن لگا رہا تھا۔ اتنے میں ایک بار پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ لڑکے نے فوراً دروازہ کھولا۔ باہر چار جرمن فوجی ہتھیار اٹھائے کھڑے تھے۔ لڑکا چونکہ خود جرمن تھا اس لئے اسے کوئی شبہ اور ڈر نہ تھا۔ جرمن ہونے کے باعث عورت اور لڑکے کو علم تھا کہ دشمن کے فوجیوں کو پناہ دینا سنگین جرم ہے جس کی سزا موت بھی ہو سکتی ہے۔ عورت کا چہرہ خوف سے سفید ہو گیا۔ اس نے تین امریکی سپاہیوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ مگر اس نے خود اعتمادی سے اپنے جرمن سپاہیوں کو خوش آمدید

کہا جس کے جواب میں جرمن سپاہیوں نے ''کرسمس مبارک'' کہا اور رات گزارنے کی اجازت مانگی، وہ بھی امریکی سپاہیوں کی طرح اپنی رجمنٹ سے بچھڑ گئے تھے۔ صبح ہوتے ہی انہیں چلے جانا تھا۔ ''تم لوگ بھی اندر آسکتے ہو۔'' عورت نے اپنی زندگی کا ایک ہولناک خطرہ مول لیتے ہوئے کہا۔ ''پیٹ بھر کر کھانا بھی کھا سکتے ہو اور رات آرام سے گزار سکتے ہو، مگر یہ یاد رکھو کہ اندر تین اور مہمان بھی ہیں جو ہمارے دوست ہیں، آج کرسمس کی رات ہے میں یقین کرنا چاہتی ہوں کہ تم گولی نہیں چلاؤ گے۔''

''کیا اندر امریکی فوجی ہیں؟'' جرمن سپاہیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

''سنو۔'' عورت نے ایسے لہجے میں کہا جس میں رعب بھی تھا اور پیار بھی۔ ''تم سب میرے بیٹوں کی طرح ہو۔ ایک زخمی امریکی فوجی اندر ہے اور اسکے دو ساتھی اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ تینوں تمہاری طرح اپنے فوجی دستے سے بچھڑ گئے ہیں۔ بہت تھکے ہوئے ہیں اور بھوکے بھی ہیں۔ آج کرسمس کی رات ہے اور یہ محبت اور پیار کی رات ہے۔ کم از کم میرے گھر میں آج گولی نہیں چلے گی۔ تم اندر آجاؤ اور اپنے ہتھیار کمرے کے کونے میں رکھ دو۔'' چاروں اندر آگئے اور اپنے ہتھیار ایک کونے میں رکھ دیئے۔ عورت نے امریکی فوجیوں سے بھی فرانسیسی میں ہتھیار اسی کونے میں رکھنے کو کہا۔ تینوں نے ہتھیار جرمنوں کے ہتھیاروں کے ساتھ رکھ دیئے۔ یہ جرمن اور امریکی اگر اپنے اپنے مورچوں میں ہوتے تو ایک دوسرے کا خون بہانے کے لئے بے چین ہو جاتے لیکن اس عورت کے الفاظ اور انداز میں کوئی جادو تھا یا حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کا پیغام محبت کہ جرمن اور امریکی فوجی ایک ہی میز کے ساتھ کندھے سے کندھا جوڑ کر بیٹھ گئے۔ عورت نے جلدی جلدی مزید آلو اور سبزی تیار کی تا کہ سب کے لئے کھانا تیار ہو سکے۔ زخمی امریکی فوجی اچانک درد سے کراہنے لگا۔ ایک جرمن فوجی نے جا کر اس کا زخم دیکھا۔ اگرچہ وہ میڈیکل برانچ کا سپاہی نہیں تھا مگر اس نے زخمی کی کمزوری کا باعث خون کا بہہ جانا بتایا اور اسے مکمل آرام کی تلقین کی۔ جرمن فوجی بھی سبھی نو عمر تھے۔ ان کے کار پورل کی عمر تیس سال تھی۔ باقی چودہ سے سترہ سال کی عمر کے تھے۔ جرمن کارپورل نے اپنے تھیلے سے کھانے کی کچھ چیزیں نکالیں۔ جن میں ایک بوتل سرخ شراب کی تھی۔ عورت نے آدھی شراب کی بوتل زخمی کے لئے رکھ لی تاکہ اسے گرم رکھا جائے۔ کھانے کی تمام چیزیں میز پر لگا دی گئیں۔ عورت نے کھانے سے قبل دعا مانگی جس میں سبھی شریک ہوئے۔ جذبات سے مغلوب ہو کر عورت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور خوب گپیں لگائیں۔ آدھی رات گزرنے پر عورت تمام فوجیوں کو لے کر دروازے سے باہر

آگئی۔ اور سب نے ایک ساتھ صبح کا ستارہ دیکھا۔ دعا کے وقت سبھی سر جھکائے اکٹھے کھڑے ہوئے تھے۔ صبح طلوع ہوئی۔ زخمی امریکی فوجی ہوش میں آچکا تھا۔ اسے بھی پیٹ بھر کر کھانا دیا گیا۔ اور نصف بوتل گرم رکھنے والی شراب بھی اسے پلائی گئی۔ عورت نے پھر میز کے بہترین میز پوش میں زخمی امریکی کو لپیٹ دیا۔ جرمن سپاہیوں کے کارپورل نے امریکی فوجیوں کے نقشے پر انہیں واپس جانے کا محفوظ راستہ بتایا۔ ایک امریکی فوجی نے پوچھا کیوں نہ وہ فلاں گاؤں کی طرف چلے جائیں۔ جہاں ان کے فوجی دستے تھے۔ مگر جرمن نے بتایا کہ اس گاؤں پر اب جرمنوں کا قبضہ ہے۔ عورت نے ان سب کو ہتھیار دے دیئے اور ساتھ ہی اس نے دونوں گروپوں کو بتایا کہ وہ خبردار رہیں اور کسی قسم کا جھگڑا نہ کریں۔ پھر دعائیں دے کر انہیں رخصت کیا۔ جرمن اور امریکی فوجیوں نے آخری مرتبہ ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور ہاتھ ملاتے ہوئے جلد ہی مختلف سمتوں کی طرف دھند اور برف سے ڈھکے ہوئے درختوں میں غائب ہو گئے۔ اور اس طرح ایک عورت کی محبت نے دشمنوں کی دشمنی کو دوستی میں بدل دیا۔

آنکھ مچولی

آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔
ہماری کاوشش آپ تک اور
آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

ہمارے مُعاون

ہمارے مَددگار

صُوبہ سندھ اور بلوچستان میں آنکھ مچولی کے ایجنٹ

محمد حسین برادرز — کراچی — ۲۲۳۱۲۶،۷۷
مہران نیوز ایجنسی — حیدرآباد — ۲۰۱۲۸
سلمان برادرز — نوابشاہ — ۲۳۱۴
ایم ایم ٹریڈرز — کوئٹہ — ۵۰۰۲،۷

خط وکتابت کے لیے

سرکولیشن مینجر

ماہ نامہ آنکھ مچولی - اے پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

شیر ایک "شریف" سا

قرۃ العین طاہر

چار سو پونڈ کا وزنی یہ افریقی شیر چار کمروں والے ایک گھر میں دو استادوں کے ساتھ بالکل انسان ہی کی طرح رہ رہا ہے۔ اس کا نام سند باد ہے۔ یہ اپنے مالکان جان اور بیورولی پینڈرہی کے کمرے میں سوتا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا ہے حیرت کی بات ہے کہ یہ شیر قہقہے بھی لگاتا ہے اور مرضی کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو اداس بھی ہو جاتا ہے یہ اتنا مہذب ہے کہ بعض اوقات انسانوں سے زیادہ انسان نظر آتا ہے۔ اِن تصویروں سے آپ خود

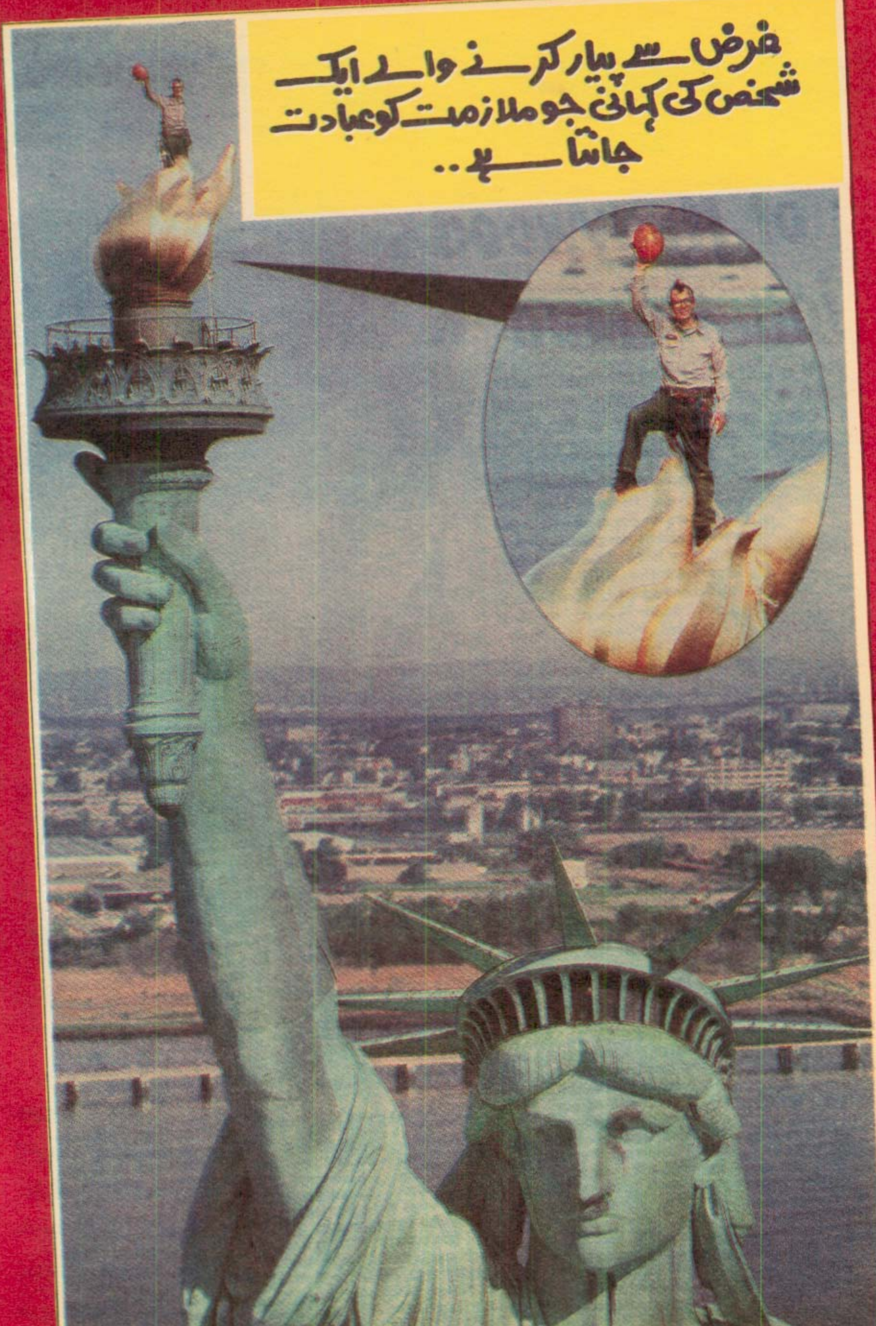
فرض سے پیار کرنے والے ایک
شخص کی کہانی جو ملازمت کو عبادت
جانتا ہے..

ملازم نہیں ہوں محافظ ہوں میں

~~~~ عمر صدیقی ~~~~

کام بے دلی سے کیا جائے تو زحمت اور شوق سے کیا جائے تو عبادت بن جاتا ہے۔ اپنے کام سے سچی لگن اور فرض سے محبت ہی ایسی چیز ہے جو ناممکن کو ممکن اور تکلیف کو راحت میں بدل دیتی ہے۔ امریکی نیوی کا سابق فوجی، چارلی ڈبلیو آج کل ''مجسمۂ آزادی'' پر ملازم ہے۔ شعلۂ آزادی کو روشن رکھنا اس کی ذمہ داری ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے اِس کا مطلب ہے زمین سے تین سو پانچ فٹ کی بلندی تک چڑھنا اور وہ بھی ہفتے میں دوبار۔ موسم اچھا ہو یا خراب۔ آپ کو اپنی ڈیوٹی پوری کرنی ہے۔ بعض اوقات درجۂ حرارت منفی تیس ڈگری تک ہوتا ہے۔ سردی سے رگوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مگر کام کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ملازمت چھوڑ چکے ہیں مگر چارلی کے لئے یہ صرف ''نوکری'' کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں معاملہ محبت کا ہے۔ وہ ایک فوجی ہے۔ وطن سے پیار اس کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے اور آزادی کے لئے لڑنا اور آزادی کو قائم رکھنا اس کا مقصدِ زندگی ہے۔

''مجسمۂ آزادی'' آزادی کی علامت ہے۔ اس کے شعلے کو روشن رکھنا گویا آزادی کی حفاظت کرنا ہے اور چارلی یہی کام کررہا ہے۔

مجسمۂ آزادی کے ہاتھ میں تھمی ہوئی مشعل کا شعلہ ٹھوس تانبے سے بنا ہوا ہے اوراس پر چوبیس قیراط سونے کا پترا منڈھا ہوا ہے۔ اسے روشن کرنے کے لئے مشعل پر سولہ عدد زیادہ پاور کے لیمپ لگائے گئے ہیں۔ چارلی کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دیکھے کہ کہیں کوئی بلب فیوز تو نہیں ہوگیا یا کسی بگلے وغیرہ نے سونے کے پترے کو خراب تو نہیں کردیا۔ اگر ایسا ہے تو اسے فوراً ٹھیک کردے تاکہ آزادی کی مشعل کا شعلہ بھڑکتا رہے۔

چارلی نے یہ ملازمت آج سے ستائیس برس قبل اختیار کی تھی۔ جب وہ نیوی سے ریٹائر ہوکر یہاں آیا تھا۔ اس کی محنت اور لگن اور وطن سے محبت کے جذبے کو دیکھتے ہوئے اسے یہ اہم لیکن مشکل کام سونپا گیا۔ چارلی نے اسے ایک اعزاز جانا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ وہ کہتا ہے
~~~~

"جب میں سویرے اٹھتا ہوں تو میرے دل میں انکساری ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ فخر کا احساس بھی ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھے اس عظیم کام کے لئے چنا۔"

"مجسمۂ آزادی" کے اندر سیڑھیاں ہیں جن کی مدد سے اس دیوہیکل مجسمے کی بلندی پر پہنچا جاسکتا ہے لیکن عام افراد اور سیاح وغیرہ صرف مجسمے کے تاج تک ہی جاتے ہیں اس سے اوپر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مگر چارلی کا سفر تو شروع ہی یہاں سے ہوتا ہے۔ مجسمے کے بازو میں بھی سیڑھیاں ہیں یہ مشعل کے دستے سے ہوتی ہوئیں اس چھت نما کھلی جگہ تک جاتی ہیں جس کے درمیان "شعلہ" نصب ہے۔ شعلے کی صفائی کرنے کے لئے چارلی کو مزید مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ مضبوط بیلٹ اور رسے کی مدد سے اس کے اوپر چڑھتا ہے۔ (جیسا کہ آپ نے تصویر میں دیکھا)۔ یہ مرحلہ نہ صرف مشکل ہے بلکہ خطرناک بھی۔

تیز ہواؤں اور ہموار چکنی سطح کی وجہ سے ہر لمحہ سینکڑوں فٹ نیچے گرنے کا دھڑکا لگا ہوتا ہے مگر چارلی بڑی تعجب کی بات کہتا ہے وہ کہتا ہے کہ "میں جب بھی اوپر چڑھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے شعلۂ آزادی کا محافظ بنایا۔"

آزادی کی مشعل کے شعلے کو روشن رکھنے والے سولہ لیمپوں کے علاوہ بھی پورے مجسمے کو رات میں روشن رکھنے کے لئے ایک سو بتیس اضافی بلب لگائے گئے ہیں۔ انہیں درست رکھنا اور خراب بلبوں کو تبدیل کرنا بھی چارلی کی ڈیوٹی میں شامل ہے۔ چارلی کے افسران بھی اس کے احساس ذمہ داری اور کام سے محبت کے قائل ہیں اور اس کی تعریفیں کرتے ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ "بھی کو "کام پیارا ہوتا ہے' چام نہیں۔"

مکڑیاں، انسان کھا گئیں

میڈرڈ اسپین میں کئی سالوں سے بند ایک مکان کی صفائی کے لئے گھر میں داخل ہونے والا شخص میسی بیچلر مکڑی کے جالوں میں پھنس گیا۔ جس پر بڑی بڑی مکڑیوں نے حملہ کر دیا۔ انٹرنیشنل میگزین رپورٹ کے مطابق میسی جونہی گھر میں داخل ہوا تو مکڑیاں اس پر حملہ آور ہو گئیں۔ اور وہ جالوں میں اس قدر پھنس گیا کہ بھاگ نہ سکا جس پر مکڑیوں نے اسے ہلاک کر دیا اور اس کی لاش بھی گھر میں پڑی رہی۔ جب اس گھر سے بدبو اٹھنے لگی تو پڑوسیوں نے پولیس کو اطلاع کر دی۔ اور بتایا کہ ایک شخص کو اس طویل عرصے سے بند گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ پولیس جب گھر میں گھسی تو میسی کی لاش ملی جسے کافی حد تک مکڑیاں کھا چکی تھیں۔

مرسلہ:۔ عمران سہیل بولی۔ اوکاڑہ

یقین نہیں آتا

ثاقب محمود مصطفیٰ

آج کا دور سائنس کا دور ہے۔ انسان ترقی کرتے کرتے چاند پر جا پہنچا ہے اور کائنات کے کئی رازوں سے پردہ اٹھا چکا ہے۔ لیکن آج بھی کائنات کے کچھ راز ایسے ہیں جو انسان کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور انسان باوجود کوشش کے ان رازوں سے پردہ نہیں اٹھا سکا ہے۔ ذیل میں ہم ایسے ہی کچھ حیرت انگیز واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں:

○ .... ○ .... ○

کسی چیز سے اچانک ہی دل میں پیدا ہو جانے والا خوف، کسی آنے والے ناخوشگوار واقعے کا قبل از وقت احساس، کسی غیبی طاقت کے ذریعے مشکلات آنے پر رہنمائی یا آنے والے خطرے سے ہوشیار کر دینا، اس طرح کے انوکھے اور پراسرار واقعات بہت سے لوگوں کی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں جنہیں نفسیات کے ماہرین چھٹی حِس کا نام دیتے ہیں۔

ونسٹن چرچل کسی زمانے میں "مارننگ پوسٹ" اخبار کے جنگی نامہ نگار تھے۔ ایک دن جب وہ خبریں حاصل کر رہے تھے کہ انہیں گرفتار کر لیا گیا لیکن بڑی ہوشیاری سے چرچل قید سے نکل بھاگے اور ایک مال گاڑی میں سوار ہو کر ایک نامعلوم مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں کی ہر چیز ان کے لئے اجنبی تھی۔ اب ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سمت فرار ہوں۔ مسٹر ونسٹن چرچل لکھتے ہیں:

"میں بے حد پریشان تھا کہ کدھر بھاگوں۔ اچانک کسی انجانی اور غیبی طاقت کے زیر اثر میرے قدم ایک سمت کو اٹھ گئے اور اس انجان مقام پر کچھ دور چلنے کے بعد مجھے آسمان پر ٹمٹماتے ستاروں کی مدھم روشنی میں ایک بستی نظر آئی۔ اس بستی میں کون سا گھر دوست کا تھا کون سا دشمن کا؟ مجھے کیا معلوم تھا۔ میں تو اس بستی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ کسی غیبی طاقت کے ہی زیر اثر میرے قدم اس بستی کی طرف بڑھتے رہے۔ میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ مصیبت کی اس گھڑی میں وہ کون سی انجانی اور غیبی طاقت تھی جو مجھے اس گھر کے دروازے پر لے گئی جہاں ہمارے دوست تھے۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک مرد نے دروازہ کھولا۔ جب میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو اس نے کہا "تم بالکل صحیح جگہ پر آئے ہو۔ یہاں آس پاس بیس میل کے علاقے میں صرف یہی گھر ہے جہاں ایک انگریز خاندان رہتا ہے۔ باقی کسی گھر میں تمہیں انگریزوں کا دوست نہیں ملے گا۔" اس شخص کی بات سو فیصد سچ تھی۔ آس پاس سارا علاقہ دشمنوں کا تھا۔ چرچل کبھی نہیں سمجھ سکے کہ کس غیبی طاقت نے انہیں دوست کے گھر پہنچا دیا تھا۔

○ .... ○ .... ○

ایک ادیب سر کیپٹن مورس کو ایک انوکھا تجربہ ہوا تھا جو اسے ہمیشہ الجھن میں ڈالے رہا۔ اسے یہ انوکھا تجربہ دسمبر ۱۹۵۵ء کی ایک رات کو ہوا تھا۔

مورس آکسفورڈ شائر کے اپنے پرانے مکان کی لائبریری میں مطالعے میں مصروف تھا کہ اچانک اسے اپنے سر کے اوپر سے ایک عجیب سی آواز آتی سنائی دی۔ وہ آواز سنسناتی کانپتی سی تھی، جیسے سیٹی کی آواز ہو۔ اس نے چونک کر اپنا سر اوپر اٹھایا۔ اس کا پالتو کتا بھی اس آواز سے چونک کر منہ اوپر کر کے زور زور سے بھونکنے لگا لیکن مورس کو اوپر کچھ نظر نہیں آیا پھر بھی وہ عجیب آواز برابر آتی رہی۔ جیسے لائبریری کے اوپر فضا میں کوئی غیبی طاقت آواز دے رہی ہو۔ آخر پریشان ہو کر مورس نے گھنٹی بجائی ـــ نوکر دوڑ کر آیا "کیا ہے صاحب؟"

"تمہیں کچھ سنائی دے رہا ہے؟"

"جی ہاں، یہ کون سیٹی بجا رہا ہے۔" نوکر نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر اچانک سیٹی کی وہ آواز لائبریری کے باہر جانے لگی۔ تب مورس نے لیمپ اٹھایا اور اس آواز کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہ عجیب آواز کس کی تھی، کہاں سے آ رہی تھی؟ مورس کبھی نہیں جان سکا لیکن مورس جیسے ہی باہر نکلا اس کمرے کی چھت ایک بھیانک آواز کے ساتھ گر گئی اس طرح غیبی آواز نے مورس کی جان بچالی۔

○ .... ○ .... ○

انگلینڈ کا ایک مشہور اور نڈر کار ڈرائیور اسٹرلنگ موس اپنی زندگی میں ایک حیرت انگیز اور پراسرار تجربے سے گزرا تھا ـــ یہ واقعہ اسے ان دنوں پیش آیا تھا جب وہ ایک کار ریس میں حصہ لے رہا تھا۔

تقریباً ایک سو تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کار کو بھگاتے ہوئے اچانک ایک جگہ اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کی کار کے بریک ٹھیک کام نہیں کر رہے ہیں۔ یہ جان کر گھبراہٹ کے مارے اس کا سارا جسم پسینے میں بھیگ گیا۔ آگے دو سو میٹر کی دوری پر ایک تنگ اور بے حد خطرناک موڑ تھا، جہاں کار کی رفتار دھیمی کر کے ہی موڑا جا سکتا تھا۔ اب اسٹرلنگ کیا کرے؟ اسے یقین ہو گیا کہ اس کی کار پلٹ جائے گی اور وہ مر جائے گا لیکن پھر کسی غیبی طاقت نے اسے مجبور کیا کہ وہ کار کا انجن بند کر دے کیونکہ اس رفتار سے وہ آنے والا موڑ کاٹ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے انجن بند کر دیا اور اس کی کار دائیں طرف لوہے کے تاروں کی باڑھ سے ٹکرا گئی۔ باڑھ مضبوط تھی اس نے کار کا زور سنبھال لیا۔ اسٹرلنگ کے بھی زیادہ چوٹ نہ آئی اور اس کی جان بچ گئی۔ اسٹرلنگ آج بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ اس کی جان بچانے والی غیبی طاقت کون تھی۔

○ .... ○ .... ○

۱۹۳۷ء کا ذکر ہے کہ برطانیہ کے رائل ائیر فورس کے ایک پائلٹ وکٹر گوڈارڈ نے جنوبی انگلستان پر پرواز کے دوران ایک بہت بڑے میدان میں ایک ہوائی اڈہ دیکھا۔ خوبصورت اڈے میں جہازوں کے ہینگر بنے ہوئے تھے اور کئی طیارے رن وے پر موجود تھے، وکٹر بہت حیران ہوا، کیونکہ اس کے پاس نقشوں میں کسی جگہ ایسے ہوائی اڈے کی کوئی تفصیل موجود نہ تھی، نہ ہی ائیر فورس کے ریکارڈ میں یہ بات شامل تھی کہ اس جگہ کوئی ہوائی اڈہ ہے۔ پانچ سال بعد وکٹر نے وہ جگہ دوبارہ دیکھی تو وہاں ایئرپورٹ بن چکا تھا اور رائل فورس کے طیارے کھڑے تھے۔ یہ نازیوں کے خلاف انگریزوں کی فرنٹ لائن تھی، گویا اس نے پانچ سال بعد کا منظر اس وقت دیکھ لیا تھا، وکٹر بعد میں ایئر مارشل کے عہدے پر فائز ہوا، مگر وہ اس حیرت ناک منظر کو کبھی نہ بھلا سکا یعنی جس چیز کا وجود ہی نہیں تھا، اسے پہلے ہی اس نے دیکھ لیا تھا۔

○ .... ○ .... ○

مشہور ناول نگار جان وین کے ساتھ بڑا ہی عجیب و غریب واقعہ پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۵۷ء کا ہے ایک دن جان وین روز کی طرح شام کو ٹہلنے نکلا۔ چلتے چلتے اچانک وہ اپنے چچازاد کی شادی کے بارے میں سوچنے لگا۔ سوچتے سوچتے اس کے ذہن کے پردے پر شادی کے جشن کا منظر ایک سوگوار منظر میں بدل گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے چچازاد کی دلہن مردہ پڑی ہے۔ اس سے جان وین بے چین ہو گیا۔ اسی دن اس کے چچا زاد کی شادی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہ کتنی عجیب بات اس کے ذہن میں آئی ہے۔ جان وین نے واپس آ کر فوراً فون پر اپنے چچازاد سے بات کی تو اسے گہرا صدمہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ وین نے جیسا تصور میں دیکھا اور محسوس کیا، ٹھیک ویسا ہی ہوا تھا۔ اس کے چچازاد کی دلہن شادی کے فوراً بعد دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے مر گئی تھی۔

میرا قائد

محمد شاہد فیروز

ہر طرف یاسیت کے بادل تھے
چار سو وحشتوں کے جنگل تھے
ہر نظر آسماں کی جانب تھی
سب یہاں سہمے سہمے بے کل تھے

کون پھر درد کا بنا درماں
کس نے توڑے تھے جبر کے زنداں
اک تصور نے پا لیا پیکر
کس کی ہمت سے یہ اٹھا طوفاں

سوچ وہ کون مرد آہن تھا
جس کا ہر لفظ گویا درپن تھا
جس کے لہجے کی کاٹ گہری تھی
اور بے داغ جس کا جیون تھا

جس کے دم سے جہان ہستی میں
عالمِ ہوش میں کہ مستی میں
ایک گھر ہم نے بھی بنا ڈالا
اندھے بہروں کی گور بستی میں

گھر ابھی اور بھی نکھرنا تھا
مثلِ دلہن ابھی سنورنا تھا
وائے قسمت کے چل دیا وہ تو
جس نے گھر کا چراغ بننا تھا

ہائے وہ اس چمن سے کیا نکلا
رنگ موسم بدل گیا گویا
پھول گلشن کی آبرو نہ رہے
خوشبوؤں کا وہ سلسلہ نہ رہا

اس کے دم سے بہار رقصاں تھی
جیسے ہر غم سے پاک داماں تھی
فخرِ ملت تھا فخرِ انساں تھا
ساری دنیا ہی اس پر نازاں تھی

تیرگی میں تھا روشنی جیسا
خشک لبجوں میں تازگی جیسا
سونے گلشن میں پھول کی صورت
میرا قائد تھا زندگی جیسا

خونیں چٹانیں

شگفتہ شمیم مُصطفیٰ

"لوگو!...... میرے بھائیو!..... میری بہنو!
خبردار سمندر کی موجیں اپنے شکار کو نگلنے کے لئے تیار رہیں۔ آپ لوگ ان بے رحم موجوں سے دور رہیں اور اپنی زندگی کی حفاظت خود کریں۔"

ساحل سمندر پر موجود لوگوں کے ہجوم کے درمیان ادھر ادھر گھومتے ہوئے فیفو بڑا سا مائک منہ سے لگائے زور زور سے بول رہا تھا۔ مگر اپنی اپنی تفریحات میں مگن لوگ اس کی آواز پر پلٹ کر دیکھتے اور دوبارہ کھیل تفریح میں مصروف ہو جاتے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان پر فیفو کی باتوں کا

کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا ہو۔ فیضو دیکھ رہا تھا کہ کچھ لوگ تو واقعی سمندر میں اسی طرح اچھل کود رہے تھے جیسے موجیں ان کی دوست ہوں۔ جیسے یہ موجیں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ مگر فیضو جانتا تھا کہ موجیں کسی کی دوست نہیں ہوتیں۔ وہ تو پل بھر میں اپنے شکار پر جھپٹ کر اسے ساحل سمندر سے دور پھینک دیتی ہیں۔

فیضو ساحلی بستی میں رہنے والے مچھیرے خدا بخش کا بیٹا تھا۔ وہ ہر روز صبح اپنے باپ کے ساتھ ساحل پر مچھلیاں پکڑنے جاتا تھا۔ اور ڈھیر ساری مچھلیاں پکڑ کر لاتا تھا۔ مگر جب مون سون کا موسم شروع ہو جاتا تو ان لوگوں کو بڑی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس موسم میں مچھلیاں بڑی مشکل سے ہاتھ لگتی تھیں۔ اس کے علاوہ سمندر کے تند و تیز لہروں سے ٹکرا کر ان کے جال بھی بار بار ٹوٹتے رہتے تھے۔ تنگ آکر فیضو نے محکمہ' سیکیورٹی گارڈ میں نوکری کرلی۔ فیضو کا کام مائک کے ذریعے لوگوں کو سمندر کی لہروں سے ہوشیار کرنا تھا۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے تو محکمہ میں فوراً اطلاع کرنا تھا۔ شروع شروع میں فیضو کو یہ کام بہت آسان لگا اور مزے دار بھی مگر بعد میں اسے احساس ہوا کہ لوگوں کو سمندر کی خطرناک موجوں سے خبردار کرنے کا اہتمام اتنا آسان نہیں۔ لوگ اپنی عقل تو استعمال کرنا دور کی بات اس کی باتوں پر بھی کان دھرنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ نتیجتاً ہر دوسرے تیسرے روز کسی نہ کسی کے سمندر میں ڈوبنے کے واقعات ہونے لگے۔ فیضو کو ان واقعات پر بہت افسوس ہوتا تھا۔ مگر وہ سوائے لوگوں کو خبردار کرنے کے اور کیا کر سکتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ یہ نوکری نہیں کرے گا۔ کیا فائدہ جب لوگ اس کی بات ہی نہیں سنتے تھے۔

اس دن بھی فیضو حسب معمول بڑا سا مائک منہ سے لگائے اپنے فرض کی انجام دہی میں مصروف تھا۔ ہر طرف طرح طرح کے لوگ اور رنگ برنگ کپڑوں میں ملبوس بچے ساحل سمندر پر سیر و تفریح میں مشغول تھے۔ آج سمندر کی لہریں بھی عام دنوں کے برعکس تھوڑی پُرسکون تھیں۔ فیضو مائک منہ سے ہٹا کر آسمان کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں بڑے بڑے بادل سورج کی روشنی کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ اسے آج کا موسم بڑا اچھا لگ رہا تھا۔

"آہا.....! آج تو موسم بڑا سہانا ہے۔"

فیضو سمندر کے کنارے کنارے چلتا ہوا بھوری چٹانوں کے نزدیک آگیا۔ دور سے سمندر کے پس منظر میں یہ چٹانیں کبھی تو بہت اچھی لگتی تھی اور کبھی بہت ڈراؤنی۔ بستی میں رہنے والے سب مچھیرے ان چٹانوں کو "خونیں چٹانیں" کہتے

تھے اور کیوں نہ کہیں .... یہ تو صرف مچھیرے ہی جانتے تھے کہ دور سے نظروں کو بھلی لگنے والی بھوری چٹانیں دراصل کتنی خوفناک ہیں۔ کیونکہ ان لاتعداد چھوٹی بڑی چٹانوں کے مجموعے کے درمیان کتنی ہی چھوٹی بڑی کھائیاں اور پھسلوان سطحیں تھیں جن پر پاؤں پڑتے ہی انسان پل بھر میں سمندر کی تندو تیز لہروں میں گم ہو جاتا ہے۔ سمندر پر سیر کے لئے آئے ہوئے کچھ لوگ تو ان کھائیوں اور پھسلوان سطحوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں مگر کچھ منچلے اور شریر قسم کے لوگ اس خطرے کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ اور کھائیوں کے نیچے بہتی ہوئی لہروں میں گم ہو جاتے ہیں۔

فیضو ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ ایک بڑی سی لہر چٹانوں سے آکر ٹکرائی اور وہ اپنے خیالات سے چونک اٹھا۔ پانی کی لہر نے فوارے کی مانند اس کے سارے چہرے کو بھگو دیا تھا۔

"اوں ...." فیضو کے منہ میں پانی کا نمکین نمکین مزہ گھلنے لگا۔ چہرے کو آستینوں سے پوچھتے ہوئے فیضو نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ کی کار آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب رک گئی۔ کار میں سے ایک نیلی ٹوپی والا آدمی اور دو بچے اترے۔ فیضو، بچوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ جو کافی شرارتی لگ رہے تھے۔ انہوں نے کار سے اترتے ہی پکنک کے سامان پر چھینا جھپٹی شروع کردی۔ نیلی ٹوپی والے نے جو شاید ان دونوں کے والد تھے انہیں زبردست قسم کی ڈانٹ پلائی۔ ان کے ہاتھوں سے سامان لے کر انہوں نے ریت پر رکھ دیا۔ چادر بچھائی اور دونوں کو اشارہ کیا کہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ دونوں نے بیٹھتے ہی ایک بار پھر کھانے کی ٹوکری پر حملہ کیا اور اس میں سے پھل نکال کر کھانے لگے۔

"توبہ ....!" فیضو نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "کس قدر بدتمیز اور ندیدے بچے ہیں۔"

"دھپ۔" وہ وہاں سے ہٹنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے سر پر کیلے کا چھلکا پڑا۔ فیضو غصے سے بھڑک اٹھا۔ مگر اس کے کچھ کرنے سے قبل ہی ان دونوں کے ابا جان نے دونوں کو ایک ایک ہاتھ جڑا اور معذرت خواہانہ نظروں سے فیضو کی طرف دیکھنے لگے۔

"جائیے ..... ہم نے انہیں معاف کیا.... آپ بھی کیا یاد رکھیں گے۔" فیضو نے بھی نظروں ہی نظروں میں جواب دیا اور وہاں سے چل پڑا۔

سہ پہر آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔ سورج سمندر کے اوپر پیلے رنگ کے تھال کی مانند چمک رہا تھا۔ فیضو صبح سے ڈیوٹی دے کر کافی تھک چکا تھا۔

"بس تھوڑی دیر اور......"

"فیضو .... او فیضو۔" اسے چاچا رحیمو ' بڑی سی جال بنانے والی رسی کاندھوں پر ڈالے آتے دکھائی دیئے۔

"بیٹا .... تیری ڈیوٹی کب ختم ہوگی۔" چاچا تھکے تھکے لہجے میں بولے۔

"بس چاچا' ختم ہونے والی ہے .... کیوں کیا بات ہے؟"

"جال پھر ٹوٹ گیا ہے۔" چاچا بولے "ذرا چل کر بنادے۔"

"اچھا ابھی چلتا ہوں۔" تھکن کے باوجود فیضو نے فوراً" ہامی بھرلی۔

فیضو تیز تیز چل رہا تھا تاکہ جلد از جلد چاچا رحیمو کا کام کرادے مگر بھوری چٹانوں کے پاس سے گزرتے ہوئے انہیں رکنا پڑا۔ چٹان پر لوگوں کا رش اور شور وغل کی آوازیں آرہی تھیں۔

"اللہ رحم کرے۔ آج پھر......." چاچا فیضو کا ہاتھ پکڑ کر اوپر دوڑے۔

وہاں پہنچتے ہی فیضو چٹان کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ خوف کی ایک تیز لہر اس کے جسم میں دوڑنے لگی۔ اور تھوڑی دیر تک فیضو کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

اسے چٹانوں کے بیچوں بیچ دو گہری کھائیوں کے درمیان ایک پتلی سی عمودی چٹان پر وہی شریر بچہ پھنسا ہوا دکھائی دیا۔ بچے کی رنگت خوف سے سفید پڑچکی تھی اور وہ زور زور سے روتے ہوئے عمودی چٹان سے بار بار چمٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"خدا کے لئے کوئی میرے بچے کو بچائے۔" فیضو کو نیلی ٹوپی والے کی آواز آئی تو وہ چونک اٹھا۔

"کچھ نہیں ہوا ...... کچھ نہیں ہوگا۔" وہ زور سے بولا "آپ لوگ پیچھے ہٹ جائیں۔"

لوگ سیکیورٹی گارڈ کے آدمی کو دیکھ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ فیضو نے جھک کر بچے کو مخاطب کیا۔

"دیکھو ..... گھبراؤ مت۔" وہ تسلی آمیز لہجے میں بولنے لگا۔ "میں ابھی تمہیں اوپر لاتا ہوں۔ بس تم ایسے ہی خاموشی کے ساتھ پڑے رہو۔ اور ہلنے جلنے کی کوشش مت کرنا۔" اس نے پلٹ کر چاچا کو پکارا۔

اچھی باتیں

علم کی دولت سے کسی نے خدائی کا دعوا نہیں کیا بلکہ مال و طاقت کی وجہ سے کیا ہے۔ (حضرت ابو بکر صدیقؓ)

آنکھ دل کا دروازہ ہے، تمام آفتیں اسی راہ سے داخل ہوتی ہیں۔ (حضرت ابو بکر صدیقؓ)

ظالم کو معاف نہ کرو کہ یہ مظلوموں پر ظلم کرنا ہے (حضرت عمر فاروقؓ) مرسلہ محمد سلیمان، کراچی۔

"چاچا ذرا اپنی رسی دینا۔"

فیضو نے رسی کا پھندا بنایا اور دوبارہ بچے سے بولا۔

"دیکھو...... یہ پھندا میں تمہارے گلے میں ڈال رہا ہوں۔ تم ہلنا نہیں بس صرف یہ کرنا کہ جیسے ہی پھندا تمہارے گلے میں داخل ہو...... تم ایک ایک کر کے اپنے دونوں ہاتھ پھندے میں سے باہر نکال لینا.... مگر بہت آہستگی کے ساتھ ..... سمجھ گئے۔"

بچے نے اثبات میں سرہلایا۔

فیضو نے مچھرے والی پھرتی کے ساتھ پھندا پھینکا جو بچے کے گلے میں داخل ہو گیا۔

"آہستہ آہستہ ...... پہلے ایک ہاتھ ..... پھر دوسرا ہاں.....شاباش۔"

بچے کے ہاتھ باہر نکالتے ہی رسہ کھینچ کر اسے بچے کی کمر پر کس دیا۔

"بس اب تم بالکل محفوظ ہو۔ اس کو مضبوطی سے پکڑلو تاکہ ہم تمہیں اوپر کھینچ لیں۔" اس نے ایک دو لوگوں کو مدد کے لئے بلایا۔

بچہ آہستگی کے ساتھ چٹانوں پر پیر جماتا ہوا اوپر آگیا۔ لوگ زور زور سے تالیاں بجا کر فیضو کو داد دینے لگے۔ نیلی ٹوپی والے نے روتے ہوئے فیضو کے کاندھے پر تھپکی دی۔ "واہ بیٹا ...... تم نے تو کمال کر دیا۔" چاچا رحیمو بولے۔ فیضو کو یوں لگا جیسے اس کی ساری تھکن ختم ہو گئی ہو۔ کوئی اس سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ کوئی تھپکی دے رہا تھا۔ اور فیضو جھینپا جھینپا سا سرہلا ہلا کر سب کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ ابھی فیضو کو جال بنانے کے لئے چاچا رحیمو کی مدد بھی کرنی تھی۔ مگر وہ بہت خوش تھا۔ اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اب سیکیورٹی گارڈ کی نوکری کبھی نہیں چھوڑے گا۔

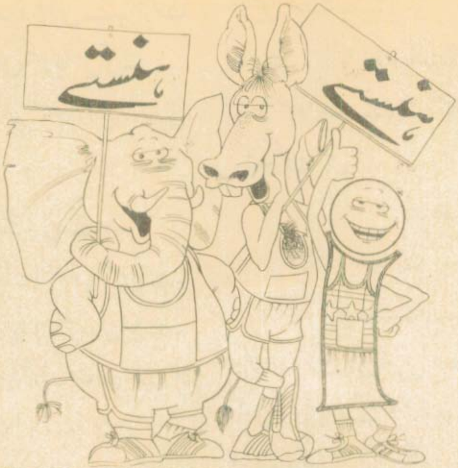

انعامی لطیفہ

ایک مونٹیسوری اسکول میں جب ٹیچر کلاس کے بیسویں بچے کو جوتے پہنا رہی تھی تو جھکے جھکے اس کی کمر میں درد ہونے لگا۔

وہ بیسواں بچہ شرمیلا، کم گو اور خاموش طبع تھا۔ جب کلاس ٹیچر اسے جتن کر کے جوتے پہنا چکی تو بچہ بڑے سکون سے بولا۔

"یہ جوتے میرے نہیں ہیں۔"

ٹیچر کا جی چاہا، رو دے مگر پھر خود پر قابو پا کر وہ بچے کے جوتے اتارنے لگی۔ جوتے اتار کر وہ اپنی کمر سیدھی کر رہی تھی کہ بچہ بولا۔

"یہ جوتے میرے بھائی کے ہیں مگر ممی نے کہا تھا کہ آج میں انہیں پہن جاؤں۔"

مرسلہ : سمیرا قاسم، حیدر آباد

ایک آدمی نے پوچھا۔ "ریل میں سفر کرتے ہوئے کس طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہئے؟"

"جس طرف تمہارا سامان رکھا ہو۔" دوسرے نے جواب دیا۔

مرسلہ : عمر صدیقی، کراچی

ایک دوست : یہ تم نے اپنے سینے پر کیا باندھ رکھا ہے؟

دوسرا دوست : ڈائنا مائیٹ ہے۔ اصل میں میں اپنے اس موٹے دوست کا انتظار کر رہا ہوں جو جب بھی ملتا ہے، میرے سینے پر گھونسا مارتا ہے۔

میری پسلیاں چیخ جاتی ہیں۔ آج اس نے یہ حرکت کی تو اس کے ہاتھ کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔

مرسلہ : محمد زاہد سلیم آرائیں، کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

راشد : ہیلو نوید! تم کتنے بدل گئے ہو۔

اجنبی : معاف کیجئے گا، میرا نام نوید نہیں ہے۔

راشد : اچھا تو تم نے اپنا نام بھی بدل لیا ہے۔

مرسلہ : طاہر اشرف اعوان، حیدر آباد

☆ --- ☆ --- ☆

ایک آدمی کی ماں ہمیشہ اپنی...... کی چین کہیں کھو بیٹھتی تھی۔ آخر کار تنگ آکر اس نے اپنی ماں کو ایک ایسی کی چین لادی جس کے سامنے اگر ایک خاص لفظ بولا جائے تو آواز نکالتا ہے۔ اس کی ماں نے لفظ "امی" مناسب سمجھا۔ چنانچہ اس نے "امی" سیٹ کردیا۔ کچھ دنوں بعد اس کا بچہ اسے کہنے لگا کہ "ابو دادی جان کو پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے۔ کل وہ اپنی امی کو پکار رہی تھیں اور انہیں درازوں میں ڈھونڈ رہی تھیں۔

مرسلہ : عابد وجیہ، کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

ایک موٹا سا بچہ اپنے دوست کو بتا رہا تھا کہ "جب میں ٹینس کھیل رہا ہوتا ہوں تو میرا دماغ جلدی جلدی میرے جسم کو حکم دے رہا ہوتا ہے کہ آگے جاؤ، جلدی سے پیچھے مڑو، بھاگ کے دائیں طرف جاؤ۔"

دوست : "پھر کیا ہوتا ہے؟

بچہ (معصومیت سے) : "پھر میرا جسم جواب دیتا ہے۔ کون، میں؟"

مرسلہ : جنید احمد، کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

ایک جزیرے کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں کے لوگوں کی عمریں بہت لمبی ہوتی ہیں ایک آدمی کو وہاں جانے کا شوق ہوا، جب وہ ساحل پر اترا تو دیکھا کہ ایک شخص جو بہت بوڑھا تھا۔ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ آدمی نے پوچھا "بابا جی! اس طرح کیوں رو رہے ہو۔" وہ بولا "ابو نے مارا ہے۔" اس نے پوچھا "کیوں مارا ہے۔" "میں نے دادا جی کے سگریٹ چرائے تھے۔" آدمی نے پھر پوچھا "تم نے سگریٹ کیوں چرائے تھے؟" بوڑھے نے جواب دیا "سر میں نے تھوڑی چرائے تھے وہ تو پر دادا نے کہا تھا کہ سگریٹ چپکے سے اڑالاؤ۔"

مرسلہ : دانش جوہر، کندھ کوٹ سندھ

☆ --- ☆ --- ☆

ایک خاتون نے ڈاکٹر سے شکایت کی (آپ نے میرے بچے کے علاج میں جو بل پیش کیا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔" "یہ بات فراموش نہ کیجئے گا خاتون،" ڈاکٹر نے کہا "جب آپ کا بچہ خسرہ کا شکار

ہوا تھا تو میں اسے دیکھنے کے لئے کم از کم دن میں تین بار آتا تھا۔"

خاتون نے کہا "اور ڈاکٹر صاحب آپ بھی یہ بات مت بھولئے گا کہ میرے ہی بچے نے پورے اسکول کے بچوں میں خسرہ کا مرض پھیلایا ہے جس کی وجہ سے آپ کی روزانہ کی آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔"

مرسلہ : رانا محمد شاہد' بوریوالا

☆ --- ☆ --- ☆

مشہور انگریز ادیب جارج برنارڈشا ایک ہوٹل میں کھانا کھارہے تھے۔ ہال میں آرکسٹرا بج رہا تھا۔ موسیقی کے بے ہنگم شور سے تنگ آکر انہوں نے بیرے کو بلایا اور پوچھا : "کیوں میاں' کیا یہ بینڈ والے فرمائشی چیز بھی بجاتے ہیں؟"

"جی ہاں کیوں نہیں۔" بیرے نے ادب سے کہا۔

"تو جاؤ ان سے کہو کہ اب بغلیں بجائیں۔"

مرسلہ : طاہر اشرف اعوان' حیدر آباد

☆ --- ☆ --- ☆

ایک نوجوان سپاہی اپنے دوستوں کو بتارہا تھا کہ میں نے تین وجوہ کی بنا پر فوجی ملازمت اختیار کی۔

۱۔ میں اپنے ملک کے دفاع کے لئے لڑنا چاہتا تھا۔

۲۔ میں اپنے جسم کو مضبوط بنانا چاہتا تھا۔

۳۔ وہ زبردستی مجھے بھرتی کرکے لے گئے۔

مرسلہ : طاہر اشرف اعوان' حیدر آباد

☆ --- ☆ --- ☆

جیومیٹری کے استاد (طلبہ سے) : آج ہم آپ کو مربع بنانا سکھائیں گے۔

شاگرد : جناب چٹنی بنانا کب سکھائیں گے؟

مرسلہ : فرحان ہاشمی' کراچی

☆.....☆.....☆

ایک بہت مشہور سماجی کارکن مولوی تفضّل کے بارے میں غلطی سے اخبار میں یہ خبر شائع ہوگئی کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس کے چند روز بعد اتفاق سے مولوی تفضّل کا ایک پرانے دوست سے رات قبرستان کے باہر آمنا سامنا ہوگیا۔ انہیں دیکھ کر دوست کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ خوف سے کپکپاتے ہوئے بولا "معاف کرنا مولانا میں آپ کے جنازے میں شامل نہیں ہوسکا تھا لیکن میں نے آپ کی قبر پر پھول چڑھا دیئے تھے۔"

مرسلہ : طاہرہ ناز (؟)

☆.....☆.....☆

نواب یوسف علی خان کا انتقال ہوا تو غالب تعزیت کے لئے نواب کلب علی خاں کے پاس رام پور گئے۔ وہ ابھی رام پور ہی میں تھے کہ

نواب صاحب کو لیفٹیننٹ گورنر سے ملنے بریلی جانا پڑا۔ رخصت کے وقت انہوں نے مرزا غالب سے کہا "خدا کے سپرد"۔ غالب نے جواب دیا "حضرت، خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا تھا۔ آپ پھر الٹا مجھے خدا کے سپرد کئے دیتے ہیں۔"

مرسلہ : نائلہ بختیار، کوہاٹ

☆.....☆.....☆

شہر میں موسیقی کی ایک بہت بڑی محفل کا اہتمام ہو رہا تھا۔ ایک صاحب پروگرام منیجر کے پاس آئے اور پروگرام میں شرکت کی اجازت چاہی۔ منیجر نے ان صاحب سے پوچھا : "آپ گانا گاتے ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"سارنگی بجاتے ہیں؟"

"نہیں جناب۔"

"تو پھر طبلہ بجاتے ہوں گے؟"

"جی نہیں۔"

منیجر نے جھلا کر پوچھا؟ "تو پھر آپ کیا بجائیں گے۔"

"جناب میں تالیاں بجاتا ہوں۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

مرسلہ : شیر نواز گل، تحصیل و ضلع، پشاور۔

☆.....☆.....☆

ننھا "ابو آپ لمبے ہوتے جا رہے ہیں۔"

ابو "تمہیں کیسے پتہ؟"

ننھا "آپ کا سر بالوں سے نکلتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

مرسلہ : نزہت فیاض، کراچی

آنکھ مچولی کا تحفہ کس کو ملا

ماہ نومبر ۹۵ء میں ہونے والی قرعہ اندازی میں جن ساتھیوں کے نام نکلے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ انہیں ماہ دسمبر ۹۵ء سے ایک سال کے لئے آنکھ مچولی جاری کیا جا رہا ہے۔ ادارہ ان ساتھیوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

فیصل واحد محمود قریشی، حیدرآباد۔ محمد بلال امین، فیصل آباد۔ حسنین رضا خان، پنڈ دادن خان۔ محمد عمران، جھڈو۔ حنا دی اسلم، اسلام آباد۔ عرفان خان، کراچی۔ خلیل حامد ملائی بازاری، تربت۔ تہمینہ ستار، گدو۔ عمران احمد، شکارپور۔ خلیل احمد، شیخوپورہ۔

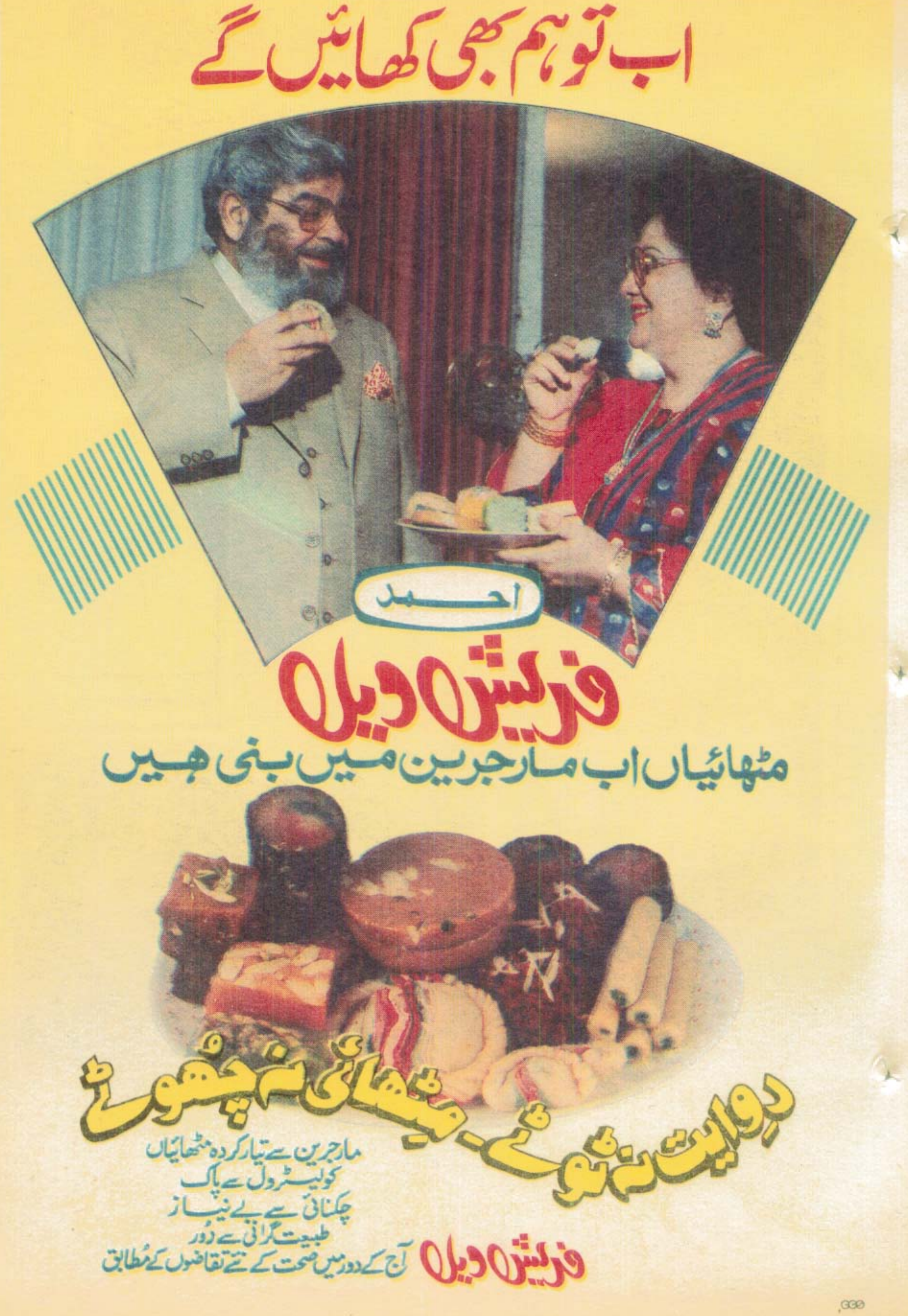

اب تو ہم بھی کھائیں گے
احمد
فریش ویلہ
مٹھائیاں اب مارجرین میں بنی ہیں
روایت نہ ٹوٹے۔ مٹھائی نہ چھوٹے
مارجرین سے تیار کردہ مٹھائیاں
کولیسٹرول سے پاک
چکنائی سے بے نیاز
طبیعت گرانی سے دُور
آج کے دور میں صحت کے تقاضوں کے مُطابق
فریش ویلہ

میرا دوست اندھیرا ہے

ایک انوکھی بچّی کا قصہ کہ دھوپ جس کی دشمن ہے

مروہ منیر

بادشاہ کو بہت پیاس لگی تھی۔ پانی مانگا۔ پانی حاضر کر دیا گیا۔ پوچھنے والے نے پوچھا۔ "بادشاہ اس پانی کے پیالے کی آپ کے نزدیک اس وقت کیا قیمت ہے؟"

کہا "آدھی سلطنت کے برابر۔"

آپ کسی اندھے سے پوچھئے تو معلوم ہو گا کہ

دنیا کی سب سے بڑی دولت آنکھیں ہیں۔ بہرے سے پوچھئے تو کان۔ شوگر کے مریض کے لئے میٹھا دنیا کی بڑی نعمت ہوتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم اللہ کی جس نعمت سے بھی محروم ہو جائیں وہی سب سے بڑی لگتی ہے اور جب تک نعمتیں دستیاب رہیں ہم کو ان کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا۔ آپ صبح سویرے اٹھتے ہیں اسکول جاتے ہیں سورج کو دیکھتے ہیں' موسم سرد ہو تو دھوپ میں مزا آتا ہے۔ موسم گرم ہو تو چھتری لے کر باہر جاتے ہیں۔ چھٹی ہو تو سارا سارا دن کرکٹ میچ کھیلتے ہیں لیکن کبھی دھوپ کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا۔ کبھی آپ نے سوچا کہ اگر دھوپ کو آپ سے چھین لیا جائے تو کیا ہوگا؟

آیئے ہم آپ کو ایسی بچی سے ملواتے ہیں جس سے دھوپ چھن گئی ہے۔ تین سالہ کیٹی امریکہ کے شہر نیویارک میں لاگرینج کے مقام پر اپنے امی ابو اور تین بہن بھائیوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے ابو ڈین ڈاک خانے میں ملازم ہیں۔ بڑی بہن ٹریسا نو سال کی ہے اور بھائی ڈینی اور بریںڈن آٹھ اور پانچ سال کے ہیں۔ کیٹی کی امی کیرین' ابو ڈین اور سب بہن بھائی کیٹی سے پیار کرتے ہیں۔ کیٹی ہے بھی بہت پیاری بچی مگر اس کے ساتھ ایک بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ کیٹی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جس کا ابھی تک کوئی علاج دریافت نہیں ہوا۔ اسے دھوپ سے الرجی ہے۔ اس لئے اسے رات کے علاوہ دن بھر بھی اندھیرے میں رہنا پڑتا ہے۔ دن میں روشنی اور دھوپ کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے کیٹی کے ماں باپ تمام کھڑکیوں' روشن دانوں' دروازوں اور ایسی جگہوں پر کہ جہاں سے روشنی اور دھوپ اندر آسکے' کمبل' پلاسٹک کے تھیلے وغیرہ ڈال دیتے ہیں مزید احتیاط کے طور پر کیٹی کو ہر وقت دھوپ کا چشمہ پہنا کے رکھا جاتا ہے اور صرف رات کے وقت گھر سے باہر لے جایا جاتا ہے۔

"کیٹی بہت بہادر اور نڈر بچی ہے' اس نے اندھیرے سے دوستی کرلی ہے۔" کیٹی کی ماں نے بتایا۔ "اب تو وہ خود بھی دھوپ میں جانا نہیں چاہتی کیونکہ اس طرح اسے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ گھر کے اندر ہی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلتی اور خوش رہتی ہے۔ جب ہمیں کیٹی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوتا ہے تو ہم رات کے وقت ہی لے کر جاتے ہیں۔"

کیٹی کے بہن بھائی حالانکہ خود بھی ابھی بچے ہیں' لیکن وہ کیٹی کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔ جب کبھی کسی وجہ سے کھڑکیوں' دروازوں پر پڑے ہوئے کمبل وغیرہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو پورا گھر کا گھر اسے ٹھیک کرنے کے لئے

دوڑ پڑتا ہے۔ مبادا کہ دھوپ کی کوئی کرن ننھی کیٹی کو تکلیف پہنچادے۔

ننھی کیٹی جب ایک ماہ کی تھی تو اپنے ماں باپ کے ساتھ باہر گئی۔ اسے ایک درخت کے نیچے لٹایا گیا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے جسم پر دانے نکل آئے، جو لمحوں میں آبلے بنے اور پھر سخت مسوں کی شکل اختیار کر گئے۔ بچی ان دانوں کی وجہ سے شدید تکلیف میں تھی اور بُری طرح چلا رہی تھی۔ فوراً ڈاکٹر کے پاس گئے اور ان دانوں کا علاج کرایا گیا، مگر بعد میں جب بھی کیٹی دھوپ میں گئی اسے اسی تکلیف سے گزرنا پڑا۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اسے ایک لاعلاج بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ جسے زیروڈرماپگ مینٹو سم کہتے ہیں اور پورے امریکہ میں صرف ڈھائی سو افراد کو اس بیماری میں مبتلا پایا گیا ہے۔ اس کا علاج دریافت کرنے کی بھرپور کوششیں جاری ہیں۔

"کیٹی کی ماں کی دعا ہے کہ "کیٹی کی زندگی ہی میں اس کا علاج دریافت ہو جائے تاکہ اس کی بچی بھی تمام انسانوں کی طرح زندگی کا لطف اٹھا سکے۔ اس معصوم بچی کے لئے آپ بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بچوں کی دعائیں ضرور سنتا ہے۔

گیس
پیٹ کے امراض
دائمی قبض
اور فسادِ خون
احمد کا
مُربّہ ہڑ
دوا بھی، غذا بھی

گھپلو بھائی

معین تابش

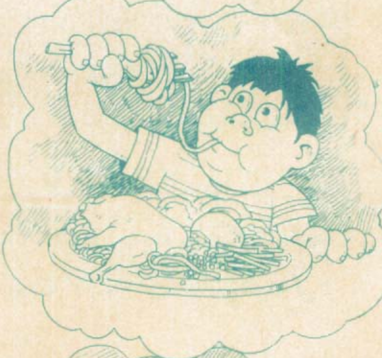

بال ہیں ان کے چھوٹے چھوٹے
گال ہیں ان کے موٹے موٹے
ناک پہ ہے عینک اٹکائی گھپلو بھائی گھپلو

پیٹ ہے ان کا جیسے ڈھول
لیکن کپڑے ہیں انمول
تھری پیس پہ ڈھیلی ٹائی
گھپلو بھائی گھپلو

گڑھا دیکھا ہے نہ کھائی
موٹر کی پھر شامت آئی
واہ رے تیری بے پروائی
گھپلو بھائی گھپلو

دیکھنے میں ہیں بالکل سادہ
لیکن کھاتے ہیں کچھ زیادہ
بھوک کبھی بھی راس نہ آئی
گھپلو بھائی گھپلو

ہے نمکین سے نفرت ان کو
میٹھے سے ہے رغبت ان کو
یار ہے ان کا اک حلوائی
گھپلو بھائی گھپلو

اپنے بھائی کے ہیں یہ پی اے
نہ کوئی تنخواہ نہ کوئی ڈی اے
بھائی سے اپنے خوب نبھائی
گھپلو بھائی گھپلو

باتیں ہیں ان کی بے باک
لیکن بے ادبی سے پاک
لہجے میں ان کے سچائی
گھپلو بھائی گھپلو

اب میں کیا کروں؟

ضلع پیجگور

ع۔ق۔ر / جماعت نہم

میرا ایک دوست ہے۔ جو کسی بات پر مجھ سے ناراض ہوگیا ہے۔ اور چونکہ مجھے پتہ تھا کہ میری طرح وہ بھی اکثر اس کوشش میں رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے یہ ناراضگی ختم ہو جائے۔ لیکن نہ جانے ہماری کون سی وہ ضد ہے۔ جسکی وجہ سے ہم آمنے سامنے آنے سے کتراتے ہیں۔ اس ناراضگی کی وجہ سے ہماری تعلیم پر خاصا اثر ہو چکا ہے۔ ہم دونوں کلاس میں خاموش اور گم سم نہ جانے کن خیالوں میں کھوئے رہتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے یہ ناراضگی ختم ہو جائے اور ہم دوبارہ اپنی تعلیم میں دلچسپی لے سکیں۔؟

پچھلے شمارے میں ش۔م کراچی نے اپنا مسئلہ پیش کیا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ پانی کے مشترکہ ٹینک والے فلیٹ میں رہتے ہیں۔ جب پانی ختم ہو جاتا ہے تو فلیٹوں میں رہنے والے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں اور نوبت ہاتھا پائی تک آجاتی ہے۔ سمجھانے بجھانے کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ ش م کے اس مسئلے کے جواب میں بہت سے حل موصول ہوئے۔

وقاص لیاقت، پتوکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ایک دوسرے سے لڑتے ہیں، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ش م صاحب! آپ اپنے فلیٹ میں رہنے والوں کو سمجھائیں کہ پڑوسیوں کے بہت حقوق ہوتے ہیں۔ مل جل کر رہنا اچھی بات ہوتی ہے۔ جب مِل جُل کر رہیں گے تو محبت بڑھے گی اور سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔

محمد رمضان، گجرات۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "پانی کو بے کار مت پھینکو

کیونکہ یہ خدا کی ایک عظیم نعمت ہے۔" اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ پانی کی کتنی اہمیت ہے۔ یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ پینے کے بعد اگر پانی بچ جائے تو اس کو نہیں پھینکنا چاہئے کیونکہ یہ اسراف یعنی فضول خرچی ہے اور اسلام میں اسراف حرام ہے مگر ہمارے پچاس فی صد سے زائد عوام اسراف سے واقف نہیں ہیں۔ ش م صاحب کو چاہئے کہ اپنے فلیٹ والوں کو پیار و محبت سے پانی کی اہمیت کے بارے میں بتائیں۔ جب وہ پانی کا صحیح استعمال کریں گے تو پانی کی قلت کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ناصر محمود، اٹک۔ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے پانی کو کم سے کم استعمال میں لانا چاہئے اور ضائع تو بالکل نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات میرے خیال میں آپ کے بڑوں کو نہیں معلوم۔ اپنے بڑوں اور پڑوسیوں کو سمجھایئے کہ کراچی میں تو ایسے لوگ بھی رہتے ہیں کہ ان کو پینے کے لئے بھی پانی نہیں ملتا۔ آپ لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور آپس میں لڑنا جھگڑنا نہیں چاہئے۔

محمد عدیل دانش، لانڈھی کراچی

جناب! ش، م بھائی

آپ کو چاہئے کہ اپنے بھائی صاحب کو سمجھائیں اور کہیں کہ فلیٹ کے مالک سے اس بات کی شکایت کریں۔ شاید وہ اس مسئلہ کا حل نکال سکیں۔ اگر نہیں تو پھر محلے کی انتظامیہ سے کہیں اگر وہ بھی آپ کا مسئلہ نہ حل کر سکیں تو پھر آپ سب باہم..... مشورے سے اس کا حل نکال سکتے ہیں۔

نامعلوم

چودہ سو برس پہلے رسول اکرمؐ کے زمانے میں بھی ایسے ہی جھگڑے ہوتے تھے اور جب آپؐ نے ان کو آپس میں مل جل کر رہنے کی تبلیغ کی اور کہا کہ مسلمانوں کو آپس میں مل جل کر رہنا چاہئے اور چھوٹے چھوٹے مسئلوں پر لڑنے کے بجائے سب کو بیٹھ کر اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسی طرح آپ کو بھی چاہئے کہ آپ سب اس مسئلے کا حل تلاش کریں اور مل بیٹھ کر مشورہ کریں اور پھر چاروں فلیٹ والے پانی بھرنے کا وقت مقرر کرلیں اور فضول پانی ضائع نہ کریں۔

انعام یافتہ حل

جناب ش'م' صاحب پہلی بات تو یہ ہے کہ چونکہ لڑنے جھگڑنے والے سب کے سب آپ سے بڑے ہیں اس لئے آپ غصہ میں آکر کوئی ایسی بات نہ کیجئے جو بڑوں کے ادب کے خلاف ہو۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے محلے کے کسی بزرگ جو سب کے نزدیک قابلِ احترام ہوں ان سے اپنا مسئلہ بیان کیجئے اور ان سے گزارش کیجئے کہ وہ سب کو سمجھائیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کے محلہ یا خاندان میں کوئی بڑا بزرگ نہیں جو ان سب کو سمجھا سکے، تو پھر آپ کو چاہئے کہ پہلے فلیٹ کے لوگوں سے اپنے مراسم بہتر بنائیں مثلاً گھر میں جو نئی چیز پکے تو اس میں سے اپنے پڑوسیوں کو بھی بھجوایئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اور تجربہ ہے کہ اس طرح پڑوسیوں سے محبت پیدا ہوتی ہے اور جب محبت پیدا ہوجائے تو پھر چھوٹے موٹے جھگڑے خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔ اس قسم کا اچھا تعلق جب قائم ہوجائے گا تو آپ کی بات سنی جائے گی۔ آپ چاہیں تو اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کنسٹرکشن کمپنی جس نے فلیٹ بنوائے ہیں اس سے بھی رابطہ کرسکتے ہیں اور پانی کے ٹینک اس طرح علیحدہ کرلیے جائیں کہ یہ جھگڑا مستقل بنیادوں پر ختم ہوجائے۔

ممتاز علی ضلع جہلم

آنکھ مچولی کے پرانے شمارے کیسے منگوائیں؟

ہمیں قارئین کے ایسے بہت سے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں جن میں وہ آنکھ مچولی کے پرانے شمارے منگوانے کا طریقہ کار دریافت کرتے ہیں۔ اگر آپ آنکھ مچولی کے پرانے شمارے منگوانا چاہتے ہیں تو ان شماروں کی تفصیل، نصف قیمت کا منی آرڈر اور اپنا نام اور مکمل پتا ہمیں روانہ کردیجئے۔ ہم پرچے آپ کو بھجوادیں گے۔

خط وکتابت کے لئے پتا:

مینیجر سرکولیشن، ماہنامہ آنکھ مچولی I - پی آئی بی کالونی کراچی ۵ فون: ۴۹۴۲۸۵۷، ۴۹۴۸۲۱۰

راستہ تلاش کیجیے

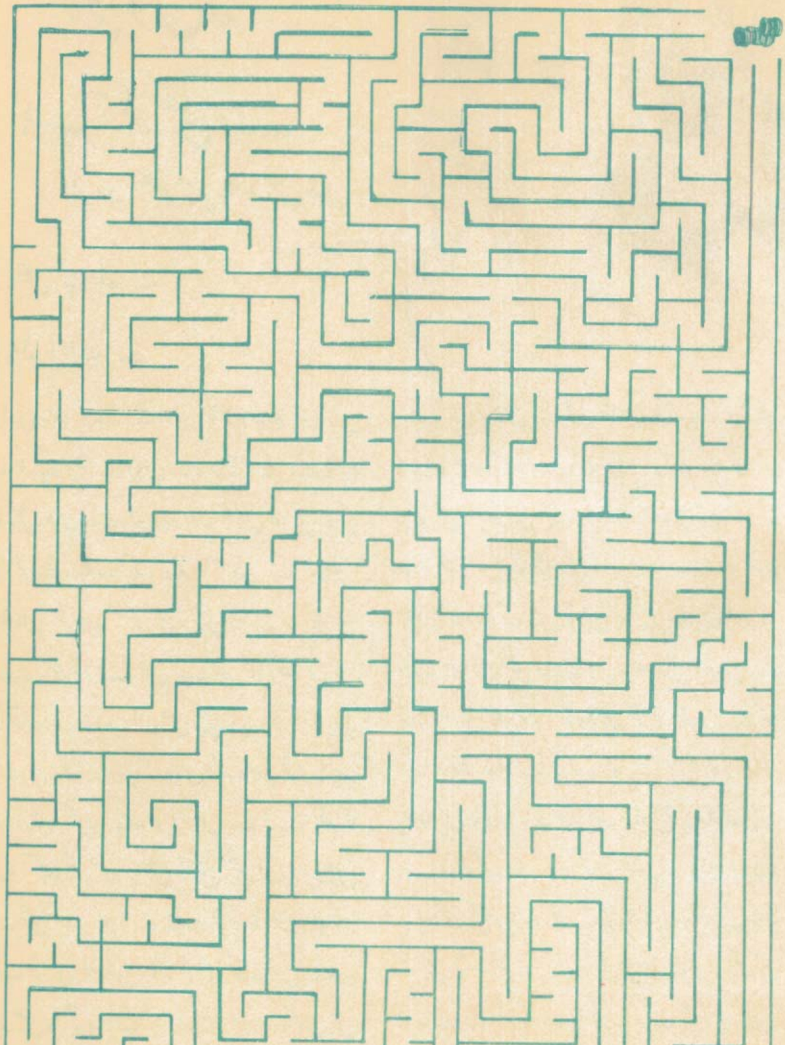

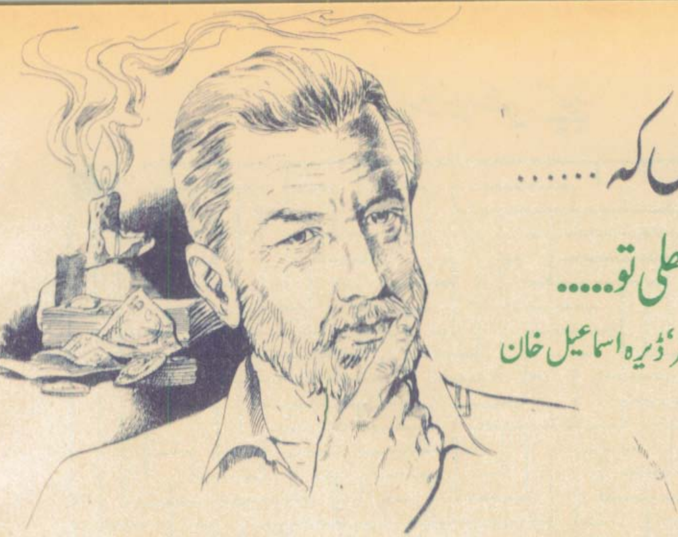

ہُوا یُوں کہ ......

جب آنکھ کھلی تو......

ارمعہ جعفر، ڈیرہ اسماعیل خان

یہ بالکل سچا واقعہ ہے.

یہ واقعہ اکثر ہمارے دادا جی سنایا کرتے تھے۔ ان کا نام حافظ محمد حسن تھا۔ اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے ڈیرہ اسماعیل خان سے کچھ دور کے گاؤں کلاچی پیدل جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ معمول کے مطابق رمضان شریف کے مہینے میں جب وہ کلاچی جارہے تھے تو راستے میں ایک جگہ کافی کھلا میدان آتا تھا۔ جب وہ میدان میں پہنچے تو یہ دیکھ کران کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں ایک عالی شان مسجد نظر آرہی تھی۔ پہلے تو انہوں نے اسے نظر کا دھوکا سمجھا مگر مسجد بالکل حقیقی تھی اور اس میں لوگ بھی گھوم پھر رہے تھے۔ شام کا وقت چونکہ قریب تھا اور افطاری کا ٹائم بھی تھا۔ اس لئے وہ مسجد میں داخل ہوگئے۔ مسجد میں موجود لوگوں میں سے وہ کسی کو بھی نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے ایک دو دفعہ پوچھا کہ یہ مسجد کب بنی ہے تو ان لوگوں نے کوئی خاص جواب نہ دیا کچھ دیر بعد جب وہ لوگ روزہ افطار کرنے لگے تو دادا نے بھی ساتھ ہی افطار کیا، پھر انہوں نے کہا کہ حافظ محمد حسن آؤ شام کی نماز پڑھادو۔ دادا تو بہت حیران ہوئے کہ میں تو ان کو نہیں پہچانتا اور یہ لوگ میرا نام بھی جانتے ہیں۔ بہرحال انہوں نے نماز پڑھائی پھر عشا کا وقت آیا تو انہوں نے کہا کہ حافظ صاحب آئیں اور تراویح اور نماز پڑھائیں تو دادا نے نماز اور تراویح پڑھائی۔ پھر جب وہ لوگ سونے لگے تو انہوں نے دادا سے پوچھا کہ صبح روزہ رکھو گے تو دادا نے دل میں سوچا کہ میں تو مسافر ہوں اور سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر پھر سوچا کہ یہ لوگ بھی کیا کہیں گے کہ اتنا بڑا امام ہے، قرآن کریم کا حافظ ہے اور روزہ بھی نہیں رکھتا۔ آخر دادا نے ان سے کہہ

ہی دیا کہ ہاں میں روزہ رکھوں گا اور مجھے جگا دینا۔ اس کے بعد سب لوگ سو گئے۔ صبح کو ان لوگوں نے جگایا۔ پھر سب نے سحری کی بڑی عمدہ چیزوں سے روزہ رکھا اور نماز کے بعد سو گئے۔

اس کے دادا کہتے ہیں کہ اچانک شدید گرمی اور تیز روشنی سے میری آنکھ کھل گئی۔

جناب والا کیا دیکھتے ہیں کہ مٹی میں لت پت بھوت بنے پڑے ہیں۔ نہ مسجد ہے اور نہ کوئی لوگ۔ وہی چٹیل میدان۔ سورج کی تیز شعاعیں جسم کو جلا رہی تھیں۔ بعد میں دادا کہتے تھے کہ وہ لوگ ہوں گے کوئی اللہ کی مخلوق یعنی جنات وغیرہ جہاں ان کا قیام آگیا۔ پڑاؤ ڈال دیا اور صبح جب جانے لگے تو دادا کے بارے میں کہا ہو گا اسے یہیں پھینکو یہ تو ہم میں سے نہیں ہے۔

دادا کو اللہ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ جب تک زندہ رہے یہ واقعہ اکثر سناتے تھے اور سب کو ہنساتے تھے اور کہتے تھے کہ آج تک ان کھانوں اور ان شربتوں اور ان کے پانی کا ذائقہ میرے منہ میں ہے۔ میں نے ایسے کھانے پھر نہیں کھائے۔

کاش ہم مان جاتے

شگفتہ صدیقی

۸ اگست ۱۹۹۰ء کا دن میری زندگی کا ناقابل فراموش دن ہے۔ اس دن بارش ہو رہی تھی میرا دل اسکول میں بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا ہاف ٹائم کے بعد بارش شروع ہو گئی تھی اس کے بعد پڑھائی نہیں ہوئی لڑکیاں باہر ٹہل رہی تھیں۔ پرنسپل نے انہیں ڈانٹ کر اندر جانے کو کہا ہم لوگ کلاس میں چلے گئے۔ میری دوست ملیحہ بھی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ وہ دھان پان سی لڑکی تھی۔ ہماری ٹیچر نے ہمیں کلاس میں بیٹھے رہنے کی تلقین کی ہم سب بیٹھ گئے۔ ہم سب لوگ وقفہ وقفہ سے نکل کر بھیگ رہے تھے۔ وہ طوفانی بارش تھی ملیحہ کو بخار بھی تھا، مگر اس کے باوجود اس کو چین نہیں آرہا تھا۔ بارش کے سبب جلدی چھٹی کردی گئی مگر بارش رکی نہیں میں نے کچھ دیر ٹھہرنے کا سوچا اور ملیحہ سے کہہ دیا۔ پھر ہم نے سوچا کہ اس طرح وقت ضائع ہو گا۔ ہم دونوں نکل کر بس اسٹاپ پر آگئے اور بس کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیر تک بس نہ آئی تو ہم نے پیدل ہی جانے کا سوچا میرا اور ملیحہ کا گھر قریب ہی تھا۔ ہم دونوں پیدل ہی بارش میں بھیگتے بھیگتے روانہ ہوئے۔ گھر پہنچ کر میں تھک گئی تھی اس لئے سو گئی۔ شام کو جب تھکن اتار کر اس کی خبر لینے اس کے گھر گئی تو پتہ چلا کہ وہ بخار سے تپ رہی تھی۔ بارش میں بھیگنے کی وجہ سے بخار نے ملیریا کی شکل اختیار کرلی تھی۔ بارش

کی وجہ سے اس کے گھر والوں کو ڈاکٹر نہ ملا۔ کچھ اس کے گھر والوں کی غفلت اور کچھ موسم کی خرابی کی وجہ سے اس کے بخار نے بگڑ کر ٹائی فائیڈ کی شکل اختیار کرلی۔ وہ اسپتال میں داخل کردی گئی۔ سرکاری اسپتالوں کی حالت سے سب کے سب واقف ہیں وہاں اس کا ٹھیک طریقے سے علاج نہیں ہوا، چنانچہ حالت بگڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی میں کس کا چارہ ہے۔ ہسپتال میں لے جانے کی نوبت بھی اس وقت آئی جب ٹائی فائیڈ بگڑ چکا تھا۔ یوں میری پیاری دوست ہم سب سے دور چلی گئی۔ آج بھی وہ واقعہ یاد آکر میری آنکھوں کو اشکبار کردیتا ہے۔ وہ میری عزیز ترین دوست تھی۔ آج میں یہ سوچتی ہوں کہ کاش ہم اس دن بارش میں نہ نہاتے کاش! ہم نے اپنے اساتذہ کی بات مان لی ہوتی۔

اُف وہ معمّہ

ہما افتخار، کراچی

ہوا یوں کہ ۱۹۹۲ء میں آنکھ مچولی کی جانب سے جیولری بکس انعامی اسکیم کا اعلان ہوا۔ میں نے بھی رضیہ سلطانہ کے نام سے کوپن بھر دیا مجھے یقین تھا کہ انعام وغیرہ تو ملے گا نہیں اس لئے کوئی بھی نام لکھ دیتی ہوں۔ کچھ عرصے بعد ایک صاحب اسکوٹر پر ہمارے گھر آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیکٹ تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا یہاں رضیہ سلطانہ رہتی ہیں۔ منور بھائی کہنے لگے یہاں تو اس نام کی کوئی خاتون نہیں رہتیں۔ مگر گھر کا پتہ یہی ہے۔ چونکہ ہم لوگ تقریباً تین ماہ پہلے ہی اس گھر میں آئے تھے۔ اس لئے ہم سب یہی سمجھے کہ یہ پیکٹ ان لوگوں کا ہے جو ہم سے پہلے یہاں رہتے تھے منور بھائی نے ان کو فون کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے گھرانے میں کسی کا نام رضیہ سلطانہ نہیں ہے۔ پھر ہم نے ان صاحب سے کہا کہ آپ یہ پیکٹ یہیں چھوڑ جائیں جس کا ہوگا، ہم دے دیں گے۔ منور بھائی وہ پیکٹ گھر میں لے آئے۔ ابو کہنے لگے اس کو باہر صحن میں رکھ دو اس میں کہیں کوئی بم وغیرہ نہ ہو چند روز پہلے ہی اخبار میں آیا تھا کسی نے تھانے کے انچارج کو بم پارسل کردیا تھا۔ چانچہ دو تین گھنٹے تک وہ پارسل صحن میں رکھا رہا پھر منور بھائی کہنے لگے میں کھول کر دیکھتا ہوں کہ اس میں کیا ہے۔ جب پیکٹ پر سے سفید غلاف اتارا گیا تو مجھے ایک کاغذ نظر آیا۔ میں نے نکال کر پڑھا تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ اس میں جیولری بکس تھا جو ادارہ آنکھ مچولی نے مجھے بھیجا تھا۔ تب مجھے یاد آیا کہ میں نے آنکھ مچولی کی انعامی اسکیم میں قلمی نام سے کوپن بھیجا تھا۔ اُف وہ جیولری بکس جو تین گھنٹے تک معمہ بنا رہا۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

ناقابلِ اشاعت تحریروں کا کالم

"لال لال بیر" سلطان جلال الدین، جھنگ۔ "ریسٹ ہاؤس" صدف ملک، راولپنڈی کینٹ۔ "بچوں کا پھول" اجم جمیل، لاہور۔ "ماڈرن کہانی" "حضور کی مختلف چیزوں پر حکومت" فوزیہ فیض، پنڈی بھٹیاں۔ "تنازع کشمیر" "محنت کی عظمت" نعمان اظہر معصوم کراچی۔ "میں مسلمان کیوں ہوئی" عندلیب زہرا، راولپنڈی۔ "کیے کی سزا" فرزانہ صدیقی، کراچی۔ "گڑیا شرارت کی پڑیا" عائشہ عمر، پشاور۔ "بہادر اور شیطان" سید امتیاز جاوید، وہاڑی۔ "ایک بادشاہ" اللہ دیا راجپوت، جھڑو۔ "چنگ چی بھنگ چی" تنویر چودہری، پنڈی گھیب۔ "روئی میں پھپھوندی کیوں لگتی ہے" سیدہ کاشفہ خاتون نقوی، کراچی۔ "مووی" عبدالقیوم شاد (؟) "قصبہ" شہروز علی، گجرانوالہ۔ "میری گاڑی" عائشہ عمر، پشاور۔ "سبق" عقیلہ بانو، خانیوال۔ "ضدی لڑکا" طاہر غفور، بہاولپور۔ "شہادت" امجد ایاز، کوٹلی۔ "حادثہ" سید کاشف بخاری، ڈیرہ اسماعیل خان۔ "پاکستانی بچے" ریاض راہی برڑو، ٹنڈو محمد خان۔ "تاریخ مغل" (؟) "دشمن" اعظم خان، پشاور۔ "شریف پھل" احسن جبران، لاہور۔ "وہ کون تھا" (؟) "نعت" اشرف سوز، پشاور۔ "حمد" "نغمہ پاکستان" نعمان شاہ، کوئٹہ "ٹارزن" وسیم احمد، کراچی۔ "میرے خیالات" محمد عباس خان کورائی، کشمور۔ "استاد کا احترام" کرن آفتاب، قصور۔ "بہادر لڑکی" پرویز علی شیخ، نوابشاہ۔ "قانون اور جرم" محمد عمر فاروق، کوئٹہ۔ "قصور کس کا" نعمان شوکت، کراچی۔ "اے پاکستان" محمد حسن عارف، کراچی۔ "شیخ عبدالقادر اور بوڑھا" ساجد نور، پسنی۔ "شرارت کا انجام" عمر فاروق صدیقی، اٹک۔ "مذاق کا انجام" "محمد اقبال قائم خانی، حیدر آباد۔ "شہادت کا شوق" محمد سلیم بخش، کراچی۔ "نالائق" "طالب علم کی فریاد" شیر نواز گل، ارمڑ پایان۔ "عزم" عدنان علی آفاق، کوئٹہ۔ "میں بھی محنت کش بچہ ہوں" "اپنا پرچم" "عمرہ گنتی لکھنا سیکھیں" صفیہ سلطانہ صدیقی، کراچی۔ "مجبوری یا دولت کی خاطر" محمد فاروق کیفی (؟) "آگے سے" زاہد حسین ابڑو، عمر کوٹ۔ "کشمیر کی گلیوں میں" "حمد" ابن شاہین، کشمور۔ "پارلیمنٹ کا فیصلہ" (؟) "دلوں اور جذبوں کی فتح" "حقیقی خوشی" علی منصور مگسی، گندھ کوٹ۔ "انتظار" جاوید اقبال، اٹک سٹی۔ "کمپیوٹر کیا ہے" شاہد شیخ، خیرپور میرس۔ "قربانی" محمد عثمان، اٹک۔ "چاندنی پری" سیف اللہ، بھکر۔ "اتحاد ایک قوت" نوشابہ رفیق، کراچی۔ "بچوں کے نام" "یہ بچے" نعمان شاہ، کوئٹہ کینٹ۔

ادھوری تصویریں

عبدالرشید فاروقی

"شرافت' سے دس روپے نکال کر یہاں رکھ دو' ورنہ........"

لیاقت کے منہ سے' مارے غصے کے جھاگ نکل رہے تھے ۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

الیاس بھائی نے ایک نظر لوگوں کے ہجوم پر ڈالی اور آہستہ سے بولے :

"آپ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ یہ صاحب کتنی معمولی بات پر' آپے سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ ساتھ والی گلی میں' میرا گھر ہے..... میں دس روپے ابھی لا دیتا ہوں۔"

"لیاقت بھائی! یہ صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں ...... ایک مسلمان ہونے کے ناتے آپ کو ان پر اعتماد کرنا چاہیئے اور پھر یہ ضمانت کے طور پر' اپنا قلم آپ کے پاس رکھ رہے ہیں۔ میرے خیال میں اس قلم کی قیمت بہت زیادہ ہے۔"

ہجوم میں کھڑے ایک نوجوان نے کہا' لیاقت بھائی نے شعلہ برساتی نظروں سے اسے دیکھا' پھر کڑک کر کہا۔

"تم خاموش رہو۔ میں کہتا ہوں کہ تمہیں ضرورت کیا ہے' میرے معاملے میں ٹانگ اَڑانے کی؟"

لیاقت بھائی کا انداز دیکھ کر وہ نوجوان کندھے اُچکا کر خاموش ہو رہا۔

"لیاقت بھائی! میں کافی دیر سے آپ کو یقین دِلانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن آپ......"

"یقین وقین کیا ہوتا ہے۔ مجھے میرے دس روپے دو اور یہاں سے چلتے بنو۔" لیاقت بھائی کے غصے میں رتی بھر کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

الیاس بھائی نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر گردن جُھکا کر خاموش ہو گئے۔

"میں کافی دیر سے آپ کی باتیں سُن رہا ہوں ایک

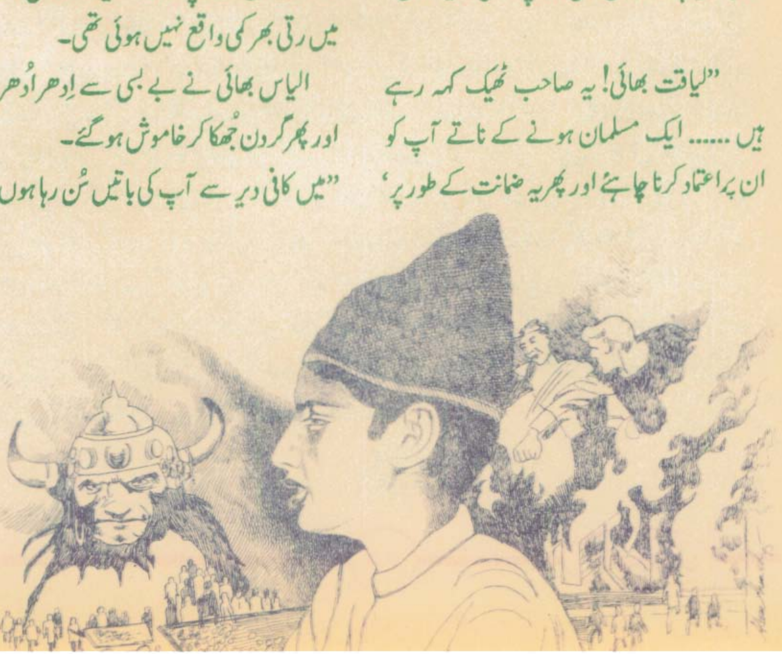

مسلمان کو ایسا لہجہ زیب نہیں دیتا جو آپ اپنے مسلمان بھائی سے روا رکھے ہوئے ہیں۔"

اچانک ایک بچے کی آواز سُن کر سب نے دائیں جانب دیکھا۔ وہاں گیارہ' بارہ سال کا ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا تھا اور اس نے سر پر ایک عجیب وغریب ٹوپی اوڑھ رکھی تھی۔ پھر اس بچے نے اپنی جیب سے کچھ نکالا اور الیاس بھائی کے ہاتھ پر رکھ دیا کہ جان چھوڑیں۔ اس بچے نے "جان چھوڑیں" پر زور دیا تھا۔ لیاقت بھائی کچھ کھسیانے سے اور کچھ شرمندہ سے نظر آرہے تھے جب کہ الیاس بھائی کی آنکھوں میں بچے کے لئے تشکر کے آنسو سمٹ آئے تھے۔

"آؤ میرے ساتھ گھر چلو میں تمہارے پیسے لوٹا دوں گا۔" انہوں نے بچے کا ہاتھ پکڑا۔"نیکی کا حُسن یہ ہے کہ فوراً" کی جائے اور اسے فوراً" بُھلا دیا جائے۔" بچے نے الیاس بھائی سے کہا پھر آہستہ سے اپنا ہاتھ چُھڑایا اور ہونق بنے ہجوم سے باہر نکل گیا۔

----- ○ -----

وہ ایک بڑی سی مارکیٹ تھی۔ سُپر مارکیٹ۔ وہاں لوگوں کا بے تحاشہ رش تھا۔ وہ حیرانی سے اونچی عمارت اور انسانوں کے جنگل کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک دو تین گاڑیاں وہاں آکر رُکیں۔ ان میں سے کچھ نقاب پوش اُترے ان کے ہاتھ میں لمبے لمبے سے ڈنڈے تھے پھر ان ڈنڈوں سے جیسے آگ نکلنے لگی۔ دھماکے' لوگوں کی چیخ وُپکار' افراتفری میں بھاگتے لوگ' بے گناہوں کا زمین پر گرتا خون اور آخر میں بڑے اطمینان سے گاڑیوں میں واپس جاتے ہوئے نقاب پوش۔ اس نے جلدی سے اپنی عجیب وغریب ٹوپی زمین سے اٹھائی جو کسی کے ٹکرانے سے گر گئی تھی۔ "میرا سر تو کسی نے نہیں دیکھا۔" اس نے سوچا۔ پھر اسے کسی کی آواز سُنائی دی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ "ہمارے شہر میں یہ تماشہ روز ہوتا ہے۔"

----- ○ ------

ریڑھی والے کے پاس بے تحاشا رش تھا۔ چھوٹے بڑے لوگ' آم خریدنے کے لئے بے چین تھے۔ ان کی بے چینی کی وجہ آموں کی قلیل مقدار تھی۔ ہر ایک کو یہی خدشہ تھا کہ ان کی باری آنے تک آم ختم نہ ہوجائیں۔ بازار میں یہ واحد ریڑھی تھی جس پر آم فروخت ہورہے تھے۔ ریڑھی والے کی پُھرتیاں اس وقت قابلِ دید تھیں۔ وہ بڑی تیزی سے گاہکوں کو فارغ کررہا تھا۔ آم تیزی سے کم ہورہے تھے۔

گاہکوں میں مرد تھے اور عورتیں بھی۔ بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔

اچانک ایک نوجوان عورت نے سب کی آنکھ بچا کر' ایک بڑا سا آم اُٹھایا اور اگلے ہی لمحے وہ آم

اس کے بڑے سے شاپر میں پناہ لے چکا تھا۔
عورت کے چہرے پر ایک لمحے کو گھبراہٹ پیدا ہوئی پھر وہ مُسکرانے لگی۔ اپنی کامیابی پر!!!

بچے نے چونک کر دیکھا اس عورت کا چھوٹا بچہ بڑے غور سے اپنی امی کی ایک ایک لمحے کی حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور خاموش تھا۔ "وہ کیوں خاموش ہے؟" اس نے سوچا۔ "بڑے بچّوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔" اسے اپنے اُستاد کا کہا ہوا جملہ یاد آیا۔ پھر اسے لگا جیسے ایک ماں کی غلط تربیت نے معاشرے میں ایک ڈاکو پیدا کر دیا ہے!!

----- ○ -----

اس کا دماغ شل ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں کچھ دیکھنے کی طاقت نہیں رہی تھی لیکن وہ ابھی واپس نہیں جانا چاہتا تھا اس لئے اس نے اپنا کام جاری رکھا اور گھومتا، پھرتا کریانے کی ایک بڑی سی دکان کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔ اسی وقت ادھیڑ عمر کا ایک شخص لاٹھی ٹیکتا ہوا دُکان پر آیا۔ اس کی آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ وہ اس طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے نظر کم آتا ہو۔

"اوئے ...... گل احمد! ذرا اس بابے کو فارغ کردو۔"
دکاندار نے اپنے نوکر سے کہا۔
نوکر نے مسکراتے ہوئے اس ادھیڑ عمر کے بابے کی طرف دیکھا پھر کہا۔
"آپ نے کیا لینا ہے بابا جی؟"
بابا جی نے عینک درست کی اور آہستہ سے کہنے لگا:
"بیٹا! بہت دور سے آیا ہوں...... بینائی کمزور ہے ...... یوں کرو کہ مجھے دو کلو چینی دے دو...... اللہ تمہارا بھلا کرے......"

گل احمد نے خاموشی سے، اس کے ہاتھ سے نوٹ لئے اور اندر دُکان میں چلا گیا، تھوڑی دیر بعد لوٹا تو شاپر میں چینی تھی۔ اس نے وہ شاپر، دُکان کے مالک کو پکڑاتے ہوئے کہا:
"حاجی صاحب! دو کلو چینی تول دیں...."

"حاجی صاحب نوٹ گن رہے تھے۔ انہوں نے نوٹوں کی گڈی ایک طرف رکھی۔ قریب پڑی، تسبیح، کو ہاتھ سے ایک طرف کیا اور چھوٹے ترازو پر وزن کرنے لگے۔
دکان کے قریب کھڑے بچے کی نظر ترازو کے نیچے، پڑی تو وہ چونک اُٹھا۔
حاجی صاحب نے دو کلو چینی تول کر بابا جی کو دی اور پیسے لے کر مُسکرانے لگے۔ ادھر بابا جی کے لبوں پر بھی ہلکی سی ذو معنی مسکراہٹ تھی اور ان کی ایک آنکھ آہستہ آہستہ ہل رہی تھی۔ ان کے "نوٹ" چل گئے تھے۔ سر پر عجیب و غریب ٹوپی اوڑھے اس بچے نے ان ذو معنی مُسکراہٹ

والے چہروں کو دیکھا، پھر آنکھیں بند کر کے اس نے ان کے اصل چہروں پر غور کیا وہ اندر سے بے حد بھیانک تھے۔

------O ----

ایک کافی بڑے، خوبصورت لان کے ایک پھیلے ہوئے درخت کی اوٹ سے، اس نے لان کے عین وسط میں کرسیوں پر بیٹھے ..... اس گھر کے لوگوں کو دیکھا اور توجہ سے ان کی باتیں سُننے لگا۔ ایک عورت اپنے سامنے کھیلتے ہوئے، چھوٹے سے بچّے سے مخاطب تھی :

"بیٹے وقاص! احتیاط سے کھیلو...... کہیں چوٹ نہ آجائے......."

"امی! آپ فکر نہ کریں۔ مجھے چوٹ نہیں آئے گی۔ میں بہادر بچّہ ہوں....."

وقاص نے نرم نرم گھاس پر قلابازی کھاتے ہوئے کہا، اس کی حرکت دیکھ کر اس کے ابو مسکرانے لگے جبکہ امی نے بُرا سا منہ بنایا اور بولیں :

"پرسوں بھی تم نے یہی بات کی تھی لیکن کتنی زبردست چوٹ آئی تھی، تمہیں یاد نہیں!"

"بیگم صاحبہ! جانے دیں کیوں وقاص کو ڈرا رہی ہیں۔"

وقاص کے ابّو نے ہنس کر کہا تو وقاص بھی زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کی امی منہ بنانے لگی اور پھر وہ میز پر موجود، ناشتے کی اشیا پر ہاتھ صاف کرنے لگیں۔ وقاص کے ابّو دوبارہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ چند لمحے خاموشی میں بیت گئے۔ پھر انہوں نے اخبار ایک طرف رکھا اور وقاص سے مخاطب ہوئے،

"وقاص! ادھر آؤ......"

وقاص بھاگ کر ان کے پاس گیا اور آرام سے کھڑا ہو گیا۔ وہ اچھا بچّہ تھا اور اپنے والدین کا کہنا مانتا تھا۔ اس کے ابّو نے پوچھا،

"بیٹے! پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

وقاص ہولے سے مُسکرایا اور بولا،

"بہت اچھی..... ابّو، میں گزشتہ ٹیسٹ میں اوّل آیا تھا۔ مس نے مجھے بہت شاباشی دی تھی اور کہا تھا کہ میں بڑا ہو کر، ضرور اپنے امّی، ابّو کا نام روشن کروں گا۔"

"جھوٹ بولتے ہو..." اس کے ابّو کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔ وہ سہم گیا۔ اس کی امّی دودھ کا گلاس میز پر رکھ کر، ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ابّو .... وہ ... میں ...... جھوٹ تو نہیں بول رہا ہوں....." وقاص نے بمشکل کہا۔

"کل شام کے وقت آپ کی مس گھر کے باہر ملی تھیں، انہوں نے کہا کہ آپ پڑھائی میں تیز نہیں، گزشتہ ویکلی ٹیسٹ میں بُری طرح ناکام ہوئے ہیں اور آپ کہہ رہے ہوں کہ میں اوّل آیا

تھا....."

ابّو کی بات سن کر، وقاص نے نظریں جُھکالیں۔ اس نے سُنا، وہ کہہ رہے تھے،

"بیٹے! جھوٹ بولنا کوئی اچھی بات نہیں۔ جھوٹے لوگوں سے ہر کوئی نفرت کرتا ہے۔ جھوٹ، آدمی کو ذلیل کردیتا ہے۔ یہ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے اور جھوٹے آدمی پر کسی کو اعتبار نہیں رہتا......"

ابّو بات ختم کرکے، وقاص کو گھورنے لگے۔ عین اسی وقت، ایک چھوٹی سی لڑکی بھاگتی ہوئی وہاں آئی اور بولی،

"صاحب جی! آپ کے دوست گُھمن میاں کا فون آیا ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

وقاص کے ابو نے گھور کر اسے دیکھا، بولے،

"تم نے اسے بتایا تو نہیں کہ میں گھر پر ہوں۔"

"جی نہیں....." لڑکی نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر جاؤ، اس سے کہہ دو کہ صاحب جی ایک ضروری کام سے چلے گئے ہیں...."

"جی اچھا...." لڑکی نے کہا اور واپس چلی گئی۔

"وقاص نے گردن گھما کر ابو کی طرف دیکھا۔

"بڑے جھوٹ بولیں تو ٹھیک اور چھوٹے بولیں تو بری بات۔ ہونہہ!" اس نے کندھے اُچکائے پھر وہ کل اسکول نہ جانے کا کوئی اچھا سا بہانہ سوچنے لگا کیونکہ اس نے حساب کا کام نہیں کیا تھا اور کل حساب کی کاپیاں چیک ہونی تھیں!!

----- ○ -----

بس اسٹاپ پر خاصا رش تھا۔ وہ بھی اسٹاپ پر جا کھڑا ہوا۔ گاڑیاں آرہی تھیں اور لوگ بھگدڑ کے عالم میں گاڑیوں میں سوار ہو رہے تھے۔ کوئی قطار کوئی نظم وضبط ان میں نظر نہ آتا تھا۔ اسٹاپ پر ایک بورڈ لگا تھا۔ "سگریٹ نوشی صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔ سگریٹ نہ پیجئے!" اور اسی بورڈ کے قریب پانچ چھ افراد مزے مزے سے سگریٹ پی رہے تھے۔ اور سگریٹوں کے دھوئیں سے وہاں کھڑے لوگ پریشان نظر آرہے تھے۔ اس نے سوچا کیا اچھی باتیں صرف لکھنے کے لئے ہی ہوتی ہیں......!!

----- ○ ------

نہا کر اس نے خود کو تروتازہ کیا اور پھر سامنے کھیل کے میدان میں جا کھڑا ہوا۔ میدان کے قریب جامع مسجد تھی۔ شام کا وقت تھا۔ صبح سے لے کر اس وقت تک، اس نے بے شمار لوگ دیکھے تھے۔ رنگ برنگی باتیں ابھی تک اس کے کانوں میں گونجتی محسوس ہورہی تھیں۔ وہ زندگی کے کھیل کو میدان میں دیکھنے لگا۔ بہت خوبصورت میدان تھا۔ بے شمار بچے اور بڑے کھیل میں مصروف تھے۔ کوئی کرکٹ کھیل رہا تھا تو کوئی ہاکی۔ ایک طرف کچھ لوگ تاش کھیل رہے تھے۔ بعض ننھے منے بچے، اپنے اپنے انکلز یا

ابوؤں کے ساتھ میدان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

وہ بڑے مزے سے لوگوں کو کھیلتا دیکھ رہا تھا۔ کافی دیر ہوگئی۔ ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا۔ اچانک ساتھ والی مسجد اور دیگر مسجدوں سے اذانیں فضا کے پُرسکون ماحول میں پھیلنے لگیں۔ حی الصلوۃ ...... حی الفلاح کی صدا گونجنے لگی۔ بھلائی اور نیکی کے کام کی طرف لوگوں کو بلایا جانے لگا۔ اس نے پلٹ کر میدان میں دیکھا تو اسے زبردست جھٹکا لگا۔ تمام لوگ اپنے اپنے کھیل میں مصروف تھے۔ اذانیں ختم ہوگئیں لیکن میدان کی رونق جوں کی توں تھی۔ میدان میں لوگ کھیل کود میں مگن تھے اور انہیں بالکل احساس نہ تھا کہ انہیں کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے قرآن مجید کی وہ آیت یاد آگئی جس میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے :

"اور ہم نے انسانوں اور جنوں کو اس لئے پیدا کیا کہ ہماری عبادت کریں۔" اس نے ماحول میں اپنا وجود ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ پھر وہ اگلے ہی لمحے مسجد میں تھا۔ اللہ کے دربار میں حاضری کے لئے وہ جلدی جلدی وضو کرنے لگا .... اس نے وضو کرتے ہوئے محسوس کیا کہ مسجد میں نماز کے لئے بڑوں سے زیادہ بچے آئے ہوئے ہیں!!

----- ○ -----

دربار لگا ہوا ہے۔ چھوٹے بڑے جن بڑے مؤدب طریقے سے، تخت کے دائیں، بائیں موجود تھے۔ دو خوبصورت پریاں، مور کے پروں سے بنے، پنکھوں سے جن بادشاہ کو ہوا دے رہی تھیں۔ بادشاہ جن کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ پورے دربار میں موت کی سی، خاموشی طاری تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ان سب کو کسی کا انتظار ہو اور پھر اچانک وہی خوبصورت سا بچّہ دربار میں ظاہر ہوا جو انسانوں کی بستی میں گیا تھا اسے دیکھ کر دربار میں موجود سب جنوں کے چہرے مُسکرانے لگے۔ جن بادشاہ اپنے تخت سے اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ بچّے نے جھکے ہوئے انداز میں سر سے عجیب و غریب، ٹوپی اُتار دی۔ اب اس کے ننھے ننھے سینگ نمایاں ہوگئے تھے۔ دربار میں موجود، تقریباً" ہر جن کے لبوں پر ہلکی ہلکی طنزیہ مُسکراہٹ تھی۔ بادشاہ جن کے چہرے پر اُداسی اور مُسکراہٹ دونوں کے ملے جُلے آثار تھے۔

ننھّے جن نے بادشاہ جن کو سلام کیا اور کہا۔

"ابّا جان! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انسان ایسے بھی ہوں گے۔ مجھے وہ لمحات شدت سے یاد آرہے ہیں جب آپ نے مجھے انسانوں کی بستی میں جانے سے منع کیا تھا۔ کاش! میں اس وقت آپ کی بات مان لیتا تو آج اتنا اُداس نہ

ہوتا۔"
ننھّے جن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
جن بادشاہ تخت پر پہلو بدلتے ہوئے بولا :
"ہمیں اندازہ ہے کہ تم نے انسانوں کی بستی میں کیا دیکھا ہوگا پھر بھی تمہاری زبانی جاننا چاہیں گے۔"
ننھّے جن نے کہنا شروع کیا :
"ابّا جان! اللہ میاں کہتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ اس کی بنائی ہوئی تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہے لیکن اس کے کام ....اُف! مجھے ابھی تک اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آرہا ہے۔
وہ جانتا ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے لیکن بولتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ لڑائی جھگڑا اچھی بات نہیں لیکن وہ جھگڑ رہا ہے.... معمولی معمولی باتوں پر....اسے خبر ہے کہ کم تولنا اور چوری کرنا، بُرے کام ہیں لیکن وہ کررہا ہے۔ گندے کاموں کے انجام سے واقف ہے مگر پھر بھی کررہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے لیکن وہ کررہا ہے۔ بے خوف و خطر ابّا جان! انہیں معلوم ہے کہ قیامت کے دن اللہ میاں بے نمازیوں کو سزا دیں گے۔ خوفناک عذاب میں مبتلا کریں گے لیکن پھر بھی کھیل کود میں غرق رہتے ہیں۔ منادی کرنے والے کی بات کو اہمیت نہیں دیتے۔"
"کیا ان کے بچوں کا بھی یہی حال ہے۔ کیا ان کی مسجدوں، مدرسوں میں بچے نہیں ہوتے؟؟"
جن بادشاہ نے بڑی بے چینی سے سوال کیا۔
دربار میں موجود تمام جِنوں کی نظریں بادشاہ اور اس کے ننھّے بیٹے کی طرف لگی تھیں۔ باپ کا سوال سن کر ننّھا جن چند لمحوں خاموش رہا پھر کہا
"نہیں ابّا جان! مسجدوں اور مدرسوں میں ان کے بچّے باقاعدگی سے جاتے ہیں اور اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ ان کی تصویریں بہت خوبصورت ہیں لیکن ....!!" ننھّے جن نے سر جُھکالیا اور ایک لمحے کو خاموشی اختیار کی۔
"لیکن کیا؟؟" بادشاہ بہت بے چین تھا۔
ننھّے جن نے گردن اُٹھائی پھر کہا۔
"جب تک ان کے بچّے..... بچّے ہوتے ہیں انہیں اپنے بڑوں کے قول و فعل کے تضاد کا معلوم نہیں ہوتا پھر جوں جوں بڑے ہوتے ہیں اچھے بننے کے بجائے اپنے بڑوں کا رنگ ان پر غالب آتا جاتا ہے......" ننّھا جن ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر دوسرے ہی لمحے کہا۔
"کاش کہ ان کے بڑے ان کی اچھی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی بھی اچھی تربیت کرسکیں تو ان کے معاشرے کی ادھوری تصویریں مکمل اور خوبصورت ہوجائیں گی۔ کاش..... کاش ......!!!

ہنسام آنکھ مچولی

قارئین کے منتخب خطوط

میمونہ عارف، شاہ فیصل کالونی، کراچی۔ خوفناک نمبر کا سرورق خوبصورت تھا۔ کہانیاں پسند آئیں۔ ''مقتول بچے نمبر'' دسمبر سے فروری پر کیوں ٹال دیا گیا۔ دعاگو ہوں کہ اللہ اسے عام رسالوں سے زیادہ شہرت دے۔ **فیصل احمد خان، کراچی۔** رنگوں اور خوشیوں سے بھرا آنکھ مچولی کا خوفناک نمبر پڑھا جو خوفناک نمبر کم اور مکس نمبر زیادہ لگ رہا تھا۔ جو بات پچھلے خوفناک نمبر میں تھی، اس میں نہیں تھی۔ **ثناء، کراچی۔** خوفناک نمبر، کی قیمت پڑھ کر بہت حیرت ہوئی، اتنا مہنگا خیر، خوفناک نمبر سے جیسی میں نے امید رکھی تھی، وہ اس پر پورا نہیں اترا۔ کہانیوں میں ''اصلی روپ'' ''نمک سے موت'' اور ''قصہ اس رات کا'' اچھی لگیں۔ **محمد حسن عارف خان، کراچی۔** خوفناک نمبر میں کہانیوں کا انتخاب لاجواب تھا۔ اتنا خوبصورت اور منفرد نمبر نکالنے پر دلی مبارک باد قبول کیجئے۔ کہانیوں میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون سی کہانی بہترین ہے لیکن جو زیادہ اچھی لگیں ان میں ڈاکٹر حافظ احسان الحق، ڈاکٹر پرمود پوروال، فصیح باری خان، عامر اعجاز، حنا زہرا، سلمان غزالی، شیخ عاکف حمید، شیخ عبدالحمید عابد، اشتیاق احمد اور نعیم احمد بلوچ کی تحریریں بہترین اور خوبصورت تھیں۔ **خرم زاہدی، اسلام**

آباد۔ خوفناک نمبر کے لئے اپنی بنائی ہوئی ایک تصویر بھیج رہا ہوں' امید ہے آنکھ مچولی میں شائع کردیں گے۔ ☆ آپ کی بنائی ہوئی تصویر تو واقعی خوفناک ہے۔ اسے پہنچنے میں بھی تاخیر ہوگئی۔ **اللہ دیا منور علی جھڈو سندھ۔** آنکھ مچولی پڑھتے ہوئے تقریباً" سال بھر ہو چکا ہے مگر میری کوئی تحریر شائع نہیں ہوئی مگر میں امید رکھتا ہوں کہ وہ دن ضرور آئے گا جس دن میری تحریر بھی شائع ہوگی۔...... ☆ آمین ثم آمین۔ **فرید احمد عاشر' حیدر آباد۔** میں نے آپ کو چھ مضامین اور دو کہانیاں ارسال کی تھیں۔ اگر ان تحریروں کا فیصلہ ہوجائے تو میں کچھ اور تحریریں بھیجوں۔...... ☆ آپ نے ایک ساتھ اتنی ڈھیر ساری تحریریں بھیج دیں کہ ان کا فیصلہ کرنے کے لئے بھی کچھ وقت چاہئے۔ **حافظ ممتاز علی' ضلع جہلم۔** آنکھ مچولی مذہبی لحاظ سے دوسرے رسالوں سے بہت بہتر ہے۔ اس نے بچوں کے لئے تعلیم الاسلام اور دعاؤں کے لئے سیٹ شائع کئے۔ اب آپ "صحافت دم توڑ رہی ہے" کے اشتہارات چھاپ رہے ہیں۔ لیکن محترم یہ بھی تو دیکھئے کہ ہماری صحافت نے جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے' کیا وہ پسندیدہ ہے؟ گندی سیاست کو اچھالنا' فلمی تصویریں چھاپنا' یہ سب کیا وطن دوستی ہے؟ آپ کو چاہئے کہ صحافیوں کو بھی سمجھائیں۔ ...... ☆ جی ہاں۔ آپ نے بالکل صحیح لکھا۔ دعا کیجئے کہ "آنکھ مچولی" اپنے فرائض حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتا رہے۔ **معظم علی' بھاول نگر۔** "آنکھ مچولی" بہت عرصے سے پڑھ رہا ہوں۔ یہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ "کہانی انسان کی" واقعی ایک بہترین کہانی ہے۔ **عبدالحفیظ شاہد' مخدوم پور پہوڑاں۔** ہم نے آپ کو خط لکھنا چھوڑ دیا لیکن آنکھ مچولی پڑھنا نہ چھوڑ سکے۔ آپ نے مجھے پہچانا۔ میں وہی ہوں جس کے خطوں سے آپ کو دشمنی سی ہے۔ ...... ☆ امید ہے آپ نے اب یہ دشمنی دوستی میں بدل دی ہوگی۔ **عادل سعید' ملیر کالونی' کراچی۔** میں نے آج تک نہ کبھی کوئی کہانی لکھی اور نہ کوئی نظم۔ لیکن آج پہلی دفعہ ایک نظم لکھی ہے جو آپ کے رسالے میں چھپوانے کا خواہش مند ہوں۔...... ☆ عادل صاحب شاعری کے لئے مطالعہ کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے آپ اچھے شعرا کو پڑھئے اور پھر جو کچھ لکھیں اس کی کسی شاعر سے اصلاح کرالیجئے اور پھر ہمیں بھیجئے۔ یہ مشورہ ان تمام دوستوں کے لئے ہے جو شعر لکھتے ہیں۔ **محمد افضل ساگر مچھوی' بلوچستان۔** سعودی عرب کا ضمیمہ پڑھا جس میں آپ نے بلوچستان کو بالکل ہی نظر انداز کردیا۔ ...... ☆ سعودی عرب کے ضمیمے میں بلوچستان کا ذکر آپ کیوں تلاش کرتے رہے۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ **رانا محمد شاہد' بورے والا۔** آپ ہمارے ساتھ چاہیں جیسا بھی سلوک کریں' مگر ہم محبت کرتے ہیں تو کمی نہیں آنے دیتے۔ ہم اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں۔ محبت ایک درخت ہے اور آنکھ مچولی اس کی شاخ ہے۔ انشاء اللہ ہم یہ شاخ ہمیشہ قائم رکھیں گے۔ ...... ☆ اس محبت کا ہم کس زبان سے شکریہ ادا کریں۔ **عبداللہ شجاع سندھی' لاڑکانہ۔** "اتنا اچھا" معیاری' دل چسپ اور منفرد ماہنامہ نکالنے پر میری طرف سے مبارک باد

قبول کیجئے۔ میں ایک نظم "بچوں کا وطن" بھیج رہا ہوں۔ ....☆ مگر شاعری کے میدان میں ابھی آپ کو اور مشق و محنت کی ضرورت ہے۔**ثوبیہ خان (؟)**۔ آنکھ مچولی اسی سال سے پڑھنا شروع کیا ہے۔ آپ کا رسالہ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ حقیقت میں بچوں کے لئے اعلیٰ سطح پر کام ہو رہا ہے۔ اسے پڑھ کر میری معلومات میں خاصا اضافہ ہوتا ہے۔**طف گل (؟)**۔ میں نے ایک کہانی بھیجی وہ نہیں چھپی۔ یہ مانتا ہوں کوئی غلطی ضرور ہوئی ہوگی لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ....☆ بھئی آپ پتہ تو دور کی بات اپنے شہر کا نام تک لکھنا بھول جاتے ہیں۔ جواب کسے دیں؟

محمد عدیل دانش، لانڈھی، کراچی۔ خوفناک نمبر کا مطالعہ ابھی جاری ہے۔ لیکن آپ نے خوفناک نمبر کے ساتھ تحفہ نہ دے کر نہایت ہی کنجوسی کا مظاہرہ کیا ہے۔ سرورق کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ ....☆ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ خوفناک نمبر کے ساتھ ماسک کا تحفہ دیا گیا ہے اور سرورق پر اس کا اعلان موجود ہے۔ لگتا ہے کہ آپ کے ہاکر یا دکاندار نے گڑبڑ کی ہے۔**اکمل شاکر، پسنی**۔ خوفناک نمبر اچھا خاصا شمارہ ہے۔ پڑھ کر احساس ہوا کہ آپ نے میری کہانی "اوپن دی ڈور" کو نظرانداز کردیا ہے۔ "سیراب" بھی ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ ....☆ "اوپن دی ڈور" کو نظرانداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ جگہ کی کمی کے باعث یہ تحریر نمبر ۹۵ کے شمارے میں شامل نہیں ہو سکی۔ یہ کہانی اور "سیراب" انشاء اللہ جلد ہی شائع ہو جائے گی۔**طیبہ صدف، رحیم یار خاں**۔ خوفناک نمبر کا سرورق دیکھ کر یوں لگا کہ جیسے یہ کراچی کے خوف زدہ اور دکھی بچوں کی تصویر ہے۔ جو ایک عفریت کے نرغے میں پھنسے ہوئے ہیں جس کے خوف سے ان کے معصوم چہروں کی معصومیت ختم ہوگئی ہے اور ان کے چہروں پر صرف ایک سوال ہے کہ "ہمارے شہر میں امن اور سکون کب ہوگا؟"**شاہد الرحمٰن چوہدری، سرگودھا**۔ "خوفناک نمبر" ایک اچھی کاوش تھا۔ اس نمبر سے معلوم ہوا کہ خوف یا ڈر اصل میں کوئی چیز نہیں۔ میری تجویز ہے کہ آئندہ آپ "تعلقات نمبر" اور ایک اور "سائنس نمبر" شائع کریں۔**ریاض احمد، پسنی مکران**۔ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ "خوفناک نمبر" ایسا خوفناک ہوگا۔ اس میں حصہ لینے والے تمام ساتھیوں کو مبارک باد۔ آپ برائے مہربانی فروری یا مارچ میں "حیرت ناک نمبر" نکالیں۔ .....☆ "حیرت ناک نمبر" تو ہم شائع کر چکے ہیں۔ کوئی نئی تجویز دیجئے۔**محمد رحمت اللہ بشیر قادری، گجرات**۔ خوفناک نمبر اتنی دیر سے ملا کہ ہمیں خوف لاحق ہوگیا کہیں ہمارا محبوب رسالہ ہم سے بچھڑ تو نہیں گیا۔ انتظار کر کر کے ہماری ٹانگیں سوکھ کر معذور ہوگئیں۔ پھر بھی خوفناک نمبر بے حد پسند آیا۔ ....☆ واقعی اب کے رسالہ کافی تاخیر سے آیا۔ اخباروں سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ کراچی میں

ہڑتالوں کی وجہ سے زندگی مفلوج ہوجاتی ہے' اس کا اثر جہاں سب پر ہوتا ہے وہاں آنکھ مچولی پر بھی ہوتا ہے۔ **حاجی محمد خان' کراچی۔** "خوفناک نمبر" خریدتے ہی ہم بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔ کیونکہ قیمت آسمان سے باتیں کررہی تھی لیکن جب اسے پڑھا تو ہم خوف کے دلدل میں دھنستے چلے گئے آنکھ مچولی کا تحفہ رات بھر ہمیں اپنے ڈریکولا جیسے دانت دکھا دکھا کر ڈراتا رہا۔ مجموعی طور پر رسالہ اپنی مثال آپ تھا۔ **خلیل جبران' تربت۔** مجھے رسالہ آنکھ مچولی بہت اچھا لگا۔ میرا سوال یہ ہے کہ میں جو لطیفے اور کہانیاں بھیجوں گا تو کیا آپ انہیں شائع کریں گے؟..... ☆ خلیل جبران صاحب۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟ **جنید لاکھانی' کراچی :** ۔ "خوفناک نمبر" اشتہارات سے بھرا ہوا تھا' قیمت بہت زیادہ تھی۔ پچھلے "دو خوفناک نمبر" والی بات اس میں نہیں تھی۔ جبکہ خوفناک نمبر کے بجائے حیرت ناک اور عبرت ناک نمبر کا شاید نچوڑ چھاپا گیا تھا۔ خوف کی ہلکی سی بساند بھی محسوس نہیں ہوئی۔

ہما افتخار، کراچی اکتوبر کے رسالے میں رسالے میں میرا نام "ہوایوں کہ" کے قابل اشاعت ناموں میں شائع ہوا تھا۔ مگر نہ مجھے خوب صورت تحفہ ملا اور نہ اعزازی رسالہ ملا۔ ○ اعزازی پرچہ اور تحفہ واقعہ چھپ جانے کے بعد بھیجا جاتا ہے۔

کیا آپ ہمیں اسٹیکرز کا آرڈر دے چکے ہیں؟

اگر آپ نے ادارہ آنکھ مچولی کو دعاؤں کے اسٹیکرز کا سیٹ منگوانے کے لئے آرڈر نہیں دیا تو یہ کام پہلی فرصت میں کر لیجئے۔ کیونکہ اسٹیکرز کے نئے سیٹ چھپ کر آچکے ہیں۔ دیدہ زیب طباعت۔ وقت کی ضرورت۔

۱۲ اسٹیکرز کا ھدیہ ..... صرف =/۳۶ روپے

منگوانے کا پتا:

سرکولیشن منیجر: ماہنامہ آنکھ مچولی I-پی آئی بی کالونی، کراچی۔۵ ۔ فون 4942857 4948210

شیشہ کیسے ایجاد ہوا؟

ابوالظہران

شیشہ انسانی استعمال میں کم از کم تین، چار ہزار سال پہلے سے ہے۔ یہ درست ہے کہ پرانے زمانے میں یعنی ہزاروں سال قبل شیشے کی موجودہ شکل نہیں تھی لیکن وہ لوگ اس کے استعمال کو بخوبی جانتے تھے۔ بائبل میں کیبن نامی مقام پر شیشہ سازی کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیشہ حضرت عیسیٰؑ کے دنیا میں آنے سے پہلے ایجاد ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ سڈون نامی مقام کو

شیشہ سازی کا مرکز بھی بتایا گیا ہے کیبن یا فنیشیا رومن مؤرخ پلائین کا دیا ہوا نام ہے۔ سیریا کے میڈیٹرین ساحل پر آباد اس ضلعے کو دریائے پیلس سے پانی ملتا تھا۔ یہ دریا کوہِ کارمل سے نکل کر ساحلِ سمندر تک پانچ میل کا مختصر سفر طے کرتا تھا۔ دریا کا سرچشمہ ریتیلی مٹی کی ایک پتلی سی پٹی ہے جہاں سمندری جوار بھاٹا اسے روز دھو دیتا ہے اور مٹی کے اجزا پانی میں گھل کر سمندر میں بہہ جاتے ہیں اور وہاں باقی بچی ریت کی تہہ چاندی کی طرح چمکتی رہتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی پتلی سی ریتیلی پٹی پر اہل فنیشیا کے ہاتھوں اتفاقاً شیشے کی ایجاد عمل میں آئی۔

تاریخ داں پلائینی نے لکھا ہے کہ اہل فنیشیا بڑے صنعت کار تھے۔ یہاں کے کچھ تاجر سمندری سفر کے ذریعہ تجارت کرتے اور خام مال سے اپنے برتنوں کا تبادلہ کرتے۔ وہ قدیم برطانیہ بھی گئے اور وہاں کارنوال کی کانوں سے نکلنے والی ٹن کے بدلے کپڑے کی تجارت کی۔ خام کپڑے دھونے کا سوڈا حاصل کرنے کے لئے وہ مصر کا بھی سفر کرتے۔ خام سوڈا مصر کی سوڈے کی جھیلوں کے ریتیلے کناروں پر بڑی مقدار میں پایا جاتا تھا۔

شیشے کی اتفاقی ایجاد کی کہانی یہ ہے کہ بقول پلائنی خام سوڈے کے بڑے بڑے ڈھیلوں سے لدا ہوا ایک بحری جہاز دریائے پیلس کی تنگ ریتیلی پٹی کے قریب لنگر انداز ہوا۔ ملاحوں کو وہاں اپنے لئے کھانا پکانے کی ضرورت پیش آئی تو چولہا بنانے کے لئے اینٹوں یا پتھروں کی ضرورت ہوئی جو انہیں وہاں دور دور تک تلاش کے باوجود نہ مل سکے۔ آخر ایک ملاح کی تجویز پر سوڈے کے بڑے بڑے ڈھیلوں کو ترتیب سے رکھ کر چولہے بنالئے گئے اور آگ جلا کر کھانا پکایا جانے لگا۔ جب وہ ان چولہوں پر کھانا پکارہے تھے تو یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ آگ میں ایک نامعلوم قسم کا مائع پگھل کر بہہ رہا ہے۔ یہ نامعلوم مائع شیشے کی ہی پگھلی ہوئی شکل تھی۔ جو سوڈے اور ریت پر آگ کی تپش سے پیدا ہوئی تھی۔

اس طرح سوڈے اور ریت کو گرم کر کے شیشہ سازی کا فن اہل فنیشیا نے اتفاقاً دریافت کیا۔ پھر کچھ عرصے بعد ترقی کر کے وہ شیشے کا سامان اور ظروف وغیرہ بنانے لگے۔ شیشہ سازی کے لئے ضروری اشیامیں سوڈیم کاربونیٹ ریت اور حرارت کو ضروری قرار دیا گیا۔ دریائے پیلس کی وہ ریتیلی پٹی صدیوں تک شیشہ سازی کے لئے خام مال کے طور پر استعمال ہوتی رہی اور وہاں کے لوگ اس سے شیشہ بناتے رہے ...... کچھ ماہرین علوم نے ابتدامیں شیشے سازی کی اس کہانی کو پڑھ یا سن کر یہ اعتراض اٹھایا کہ اس ریتیلی زمین پر لکڑیوں کی آگ سے اتنی حدت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ریت اور سوڈے کو پگھلا کر شیشے کی شکل میں بدل دے ...... اس کا جواب یہ ہے کہ پگھلنے کے لئے ضروری حدت یا تپش ریت اور سوڈے کی آمیزش پر منحصر ہے۔ حال ہی میں ایک تجربے کے ذریعے یہ بات ثابت ہو گئی کہ کھلی

جگہ میں دو گھنٹے جلتی ہوئی لکڑی کی آگ سے کافی تپش اور حدّت پیدا کی جا سکتی ہے اور اس حدّت کی مدد سے شیشے کی مختلف اقسام تیار کی جا سکتی ہیں۔ کچھ مدت بعد سوڈے اور ریت کی آمیزش کو ایک مخصوص بھٹی میں پگھلایا جانے لگا اور یوں باقاعدہ شیشے سازی کی صنعت کا آغاز ہوا۔

شیشے کی اتفاقیہ ایجاد کے سلسلے میں ایک کہانی یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ کچھ اسرائیلی بچوں نے کھیل کھیل میں ایک جنگل میں آگ لگا دی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ آگ تیزی سے بھڑک اٹھی۔ آگ بھڑکنے سے اس قدر حدّت ہوئی کہ ریت اور نائٹر پگھل کر پہاڑیوں کی ڈھلان سے نیچے بہنے لگے۔ بعد میں وہاں کے لوگوں نے اس مواد کو دیکھا تو اپنی سمجھ اور سوچ کے مطابق اس کے بنانے کا فارمولا بھی تخلیق کر لیا جو شیشہ سازی کا فارمولا کہلایا۔

تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ فنِ شیشہ سازی اہل مصر کی دریافت ہے اور انہیں اس فن کا علم فنیشیائی اور اسرائیلوں سے بھی پہلے تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ مصری چینی کے برتنوں کی چمک کیمیاوی نظریہ سے شیشے سے ہی ملتی جلتی تھی۔ کچھ ماہرین تاریخ داں یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مصریوں نے ہی شیشہ سازی کا فن دریافت کیا تھا۔ اور ان کے ہی ذریعہ یہ فن فنیشیا اور دوسرے ممالک میں پہنچا۔

نہ ٹوٹنے والا (UNBREAKABLE) شیشہ

تاریخی حوالوں یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ فنِ شیشہ سازی کی ابتدا مصریوں سے ہی ہوئی کیوں کہ مصری نژاد شہنشاہ ٹریویریلیس نے جو حضرت عیسیٰ کے زمانے میں روم کا حکمران تھا، اپنے ایک فرمان کے ذریعے مصری کاریگروں کو شیشہ سازی کے لئے روم بلوایا تھا۔ اور وہاں ان کے لئے شیشہ سازی کے کارخانے قائم کرائے تاکہ وہ اپنا یہ فن رومیوں کو بھی سکھائیں۔ شہنشاہ ٹریویریلیس کی ذاتی دلچسپی اور سرپرستی کی وجہ سے اس صنعت نے روم میں کافی ترقی کی۔ شہنشاہ نیرو کے دورِ حکومت میں (جس کی حکمرانی کا دور ۶۵ء ہے) رومن کاریگر شیشہ سازی میں مصری کاریگروں کی برابری کرنے لگے تھے۔

اسی دور کی ایک کہانی کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ٹریویریلیس کے دور حکمرانی ہی میں ایک ماہر شیشہ ساز نے نہ ٹوٹنے والے شیشے کا ایک خوبصورت پیالہ تیار کیا اور شہنشاہ کا منظورِ نظر بننے کے لئے اس نے وہ پیالہ اس کی خدمت میں پیش کیا۔ شہنشاہ ابھی اس پیالے کو ٹھیک سے دیکھ ہی نہ سکا تھا کہ کاریگر نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر پوری قوت سے پٹخ دیا۔ لمحے بھر کو سارا دربار سکتے میں آگیا۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ پوری قوت سے پیالہ زمین پر پٹخنے کے باوجود ٹوٹا نہیں۔ البتہ تانبے، پیتل کے پیالے کی طرح وہ ایک طرف سے کچھ پچک گیا ہے۔ جسے اس کاریگر نے اپنے تھیلے سے ہتھوڑی نکال کر بڑی مہارت سے ٹھوک ٹھاک کر پچکا ہوا

حصہ درست کر دیا۔ شہنشاہ نے اس سے پوچھا، "کیا اس فن میں تمہارا کوئی اور بھی ثانی ہے ......؟" کاریگر نے بڑے فخر سے جواب دیا۔ "نہیں جہاں پناہ! اس کا فارمولا میرے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا ......" کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ ٹریوریس نے اسے انعام واکرام سے نوازنے کے بعد اس کا سر تن سے جدا کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔ اسے خوف تھا کہ اگر اس کاریگر کا فارمولا کسی اور کو معلوم ہو گیا تو اس کے پاس موجود شیشے کی اہمیت گھٹ جائے گی۔ اسی قسم کی کئی اور کہانیاں بھی مشہور ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعد کئی صدیوں تک نہ ٹوٹنے والے شیشے کی ایجاد ممکن نہ ہو سکی۔ انیسویں صدی عیسوی میں شیشہ سازی کے ایک ماہر فرانسیسی کاریگر ایڈارڈ بینڈکس کے سامنے کار کا ایک حادثہ ہوا جس میں کار کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ کر دور دور تک بکھر گئے تھے اور ان ٹکڑوں سے ایک خاتون بڑی طرح زخمی ہو گئی تھی۔ اس حادثے نے بینڈکس کی توجہ نئے تجربات کی طرف مبذول کرائی۔

۱۹۰۳ء کی بات ہے مسٹر بینڈکس اپنی تجربہ گاہ میں کسی کام میں مصروف تھے۔ انہوں نے شیلف سے ایک بوتل اٹھائی تو بوتل ہاتھ کی گرفت سے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ شیشہ چیخ گیا مگر ٹوٹ کر بکھرا نہیں۔ انہوں نے بوتل کو فرش پر سے اٹھایا۔ اس پر ۱۵ سال قبل ۱۸۸۸ء کا لگایا ہوا لیبل پڑھا تو معلوم ہوا کہ اس بوتل میں سلولائیڈ رکھی ہوئی تھی۔ مسٹر بینڈکس نے اس غیر معمولی حادثے سے نتیجہ اخذ کیا کہ ان پندرہ برسوں میں مائع تو بھاپ بن کر اڑ گئی اور بوتل کی اندرونی دیوار پر سلولائیڈ کی پتلی تہہ جمی رہ گئی اسی تہہ کی وجہ سے بوتل ٹوٹنے کے باوجود بکھرنے سے محفوظ رہ گئی۔

بینڈکس نے جب کار کے حادثے میں زخمی خاتون کو دیکھا تو بے ساختہ ان کی توجہ اپنے اس تجربے کی طرف مبذول ہو گئی۔ ان کے ذہن میں خیال آیا کہ اگر شیشے کے درمیان سلولائیڈ کی تہہ جما دی جائے تو ایسا شیشہ تیار کیا جا سکتا ہے جو ٹوٹنے سے بکھرے نہیں اور کسی کو زخمی بھی نہ کرے۔ اس طرح اتفاقی ہی طور پر سیلٹر پروف شیشے کی ایجاد عمل میں آئی ...... اس شیشے میں تین پرتیں تھیں پہلی پرت شیشہ دوسری تہہ سلولائیڈ پھر تیسری پرت شیشہ۔ اس ترکیب سے شیشہ ٹوٹنے کے بعد بکھرنے سے محفوظ ہو گیا اور یوں کسی بھی حادثے کی صورت میں کسی کے زخمی ہونے کا خطرہ بھی نہ رہا۔ اس شیشے کو ٹریلیکس کا نام دیا گیا۔ اور ۱۹۰۹ میں اس ایجاد کو رجسٹرڈ کرالیا گیا۔ آج بسوں، کاروں، یا دوسری اسی قسم کی گاڑیوں میں ٹریلیکس شیشے ہی استعمال ہوتے ہیں۔

کہانی انسان کی

اسحاق منصوری

چھٹی قسط

ظالم بادشاہ کے ڈر سے ماں نے اپنے بچے حیؔ کو ایک صندوق میں بند کرکے سمندر کی لہروں کے حوالے کردیا۔ لہریں صندوق کو جزیرہ وقواق کے گھنے جنگل میں چھوڑ آئیں۔ یہاں ایک ہرنی نے اس بچے کو اپنے گم شدہ بچے کی جگہ پرورش کرنا شروع کیا۔ وہ اسے اپنا دودھ پلاتی، گرمی سردی سے بچاتی اور پیار و محبت سے چومتی چاٹتی۔ بچہ بھی ہرنی سے بہت پیار کرتا اور ہردم اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔ تھوڑا بڑا ہوا تو اس نے جنگل کے دوسرے جانوروں کو بھی دیکھا۔ وہ ان سب کی آوازوں کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا۔ اسے بعض جانور اچھے لگتے لیکن اس کی دوستی سب سے زیادہ ہرنی کے ساتھ ہی تھی۔ جب حیؔ کافی بڑا ہوگیا تو ایک دن اچانک ہرنی مر گئی۔ حیؔ بڑا حیران ہوا۔ اس نے ہرنی کے مرنے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے اس کا آپریشن کرڈالا۔ اسے معلوم ہوا کہ دل دھڑکنا بند کردے تو جاندار مرجاتا ہے۔ اور دل اس وقت دھڑکتا ہے جب اس میں روح ہو۔ ہرنی کے مرنے کے بعد حیؔ جزیرے کی سیر کو نکلا۔ تب ایک دن اس نے آگ کو دیکھا۔ اس نے آگ پر ایک مچھلی کو بھون کر کھایا۔ بہت مزا آیا۔ یوں وہ گوشت کھانے کا عادی ہوگیا۔ جزیرے کی سیر کے دوران حیؔ کے تجربات اور غور و فکر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پھر ایک دن اس کی ملاقات اسال سے ہوئی۔ **(اب آپ آگے پڑھئے)**

ملاقات

اب حیّ اس کے بہت قریب پہنچ گیا۔ جب اسال کو اس کے قریب آنے کا پتا چلا تو وہ دوبارہ تیزی سے دوڑنے لگا پھر حیّ اس کے پیچھے تیزی سے دوڑا اور آخر کار اس کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسال نے دیکھا کہ حیّ نے مختلف جانوروں کی کھالوں اور بالوں کا لباس بنا کر پہن رکھا ہے۔ اس کے اپنے بال لمبے ہو چکے ہیں حتیٰ کہ بالوں نے اس کے جسم کو ڈھانپ لیا ہے۔ اس نے سوچا کہ یہ آدمی مجھ سے بہت تیز دوڑ سکتا ہے اور قوت میں بھی بہت زیادہ ہے۔ اب تو اسے حیّ سے خوف محسوس ہونے لگا۔ پھر ہاتھ اور آنکھوں کے اشارے سے وہ حی سے رحم کرنے کی درخواست کرنے لگا۔ اس نے اپنی زبان سے بھی اس سے رحم کی درخواست کی لیکن وہ اس کی زبان نہیں سمجھتا تھا اور اسے پتا نہیں تھا کہ یہ کون ہے البتہ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ مختلف جانوروں کے پیار و محبت کی آوازیں اس نے سیکھی تھیں۔ ان آوازوں سے اس نے کام لیا۔ پیار سے اسال کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ اس سے اپنی محبت اور الفت کا اظہار کرنے لگا۔ اب اسال کو کچھ اطمینان ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ حیّ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔

دو اجنبی اسال کو فلسفہ اور قدیم علوم سے محبت تھی اور اس کے لئے اس نے بہت سی پرانی زبانیں سیکھی تھیں۔ بلکہ وہ ان زبانوں کا ماہر ہو چکا تھا۔ اب وہ حی کو مختلف زبانوں میں اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے مایوسی ہوئی کیونکہ حیّ اس کی زبان سمجھنے سے مجبور تھا یہ سب گفتگو حیّ کے لئے بڑی تعجب خیز تھی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کون ہے۔ البتہ حیّ نے یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے محبت کر رہا ہے اور اس کے لئے نیک جذبات رکھتا ہے۔ اب دونوں اجنبی ایک دوسرے کے بارے میں فکر مند تھے۔

اسال کا کھانا : اسال اپنے آبائی جزیرے سے کھانے پینے کی جو چیزیں لے کر چلا تھا اس میں سے کچھ تو اب تک بچی ہوئی تھیں۔ یہ کھانا اسال نے حیّ کو پیش کیا۔ حیّ نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا چیز ہے کیوں کہ اس نے سے پہلے ایسی کسی چیز کو نہیں دیکھا تھا۔ اسال نے اس میں سے چند لقمے کھائے اور حیّ کو اشاروں سے کہا کہ وہ بھی کھائے لیکن حیّ اس عجیب و غریب چیز کے بارے میں سوچتا ہی رہا یہ چیز اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی، اس نے سوچا کہ مجھے یہ چیز کھانی چاہئے یا نہیں کھانی چاہئے۔ شروع میں تو وہ کھانے کے لئے رکا رہا۔ جبکہ اسال اسے مسلسل کھانے کے لئے کہتا رہا۔

حی کو اسال سے محبت ہو چکی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ کھانا نہیں کھائے گا تو کہیں اسال اس سے ناراض نہ ہو جائے یہ سوچ کر اس نے کھانا شروع کر دیا جب اس نے کھانا چکھا تو اسے خیال آیا کہ اس کھانے کے نتیجے میں وہ کسی تکلیف کا شکار نہ ہو جائے وہ ایسی چیز کھا رہا تھا جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اب اپنے کھانے پر کچھ افسوس ہونے لگا اس نے سوچا کہ اسال کو چھوڑ کر اسے اپنے گھر واپس چلے جانا چاہئے لیکن دوسری طرف اس اجنبی کی حقیقت معلوم کرنے کا شوق اس کے دل میں پوری شدت سے موجزن تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا مجھے یہیں رکنا چاہئے تاکہ اس کی حقیقت معلوم کر سکوں اور جب مجھے پوری طرح معلومات حاصل ہو جائیں گی تو میں اپنی پرانی زندگی کے روز و شب میں لوٹ جاؤں گا اور دوبارہ غور و فکر میں مشغول ہو جاؤں گا۔ یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ مجھے اسال کے ساتھ رہنا چاہئے۔

حیّ کا استاد : اسال نے دیکھا کہ اس کا ساتھی حیّ تو کسی قسم کی گفتگو نہیں کر سکتا اس نے سوچا کہ یہ آدمی میرے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اب اس نے یہ سوچا کہ اگر اس آدمی کو دین کی باتیں بتائیں جائیں، اسے کوئی زبان سکھائی جائے، اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات بتائے جائیں تو مجھے بہت زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔ یہ سوچ کر اسال نے حیّ کو سب سے پہلے بولنا سکھایا۔ وہ موجود چیز کی طرف اشارہ کرتا اور اس کا نام بولتا۔ حیّ اسکے بولے ہوئے الفاظ کو دھراتا۔ اس طرح اسال نے حیّ کو تمام چیزوں کے نام یاد کرا دیئے۔ جب حیّ تمام چیزوں کے نام سیکھ گیا تو وہ آہستہ آہستہ بولنے لگا۔ تھوڑی سی مدت میں وہ زبان سمجھ گیا۔ اب اسال نے حیّ سے اس کی حقیقت کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں سے اس جزیرے میں آیا ہے۔ حیّ نے بتایا کہ اسے اپنی ابتدا کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہے۔ اسے نہ تو اپنے باپ کا پتہ ہے نہ ماں کی خبر۔ وہ تو صرف اس ہرنی کو جانتا ہے جس نے اس کی پرورش کی تھی۔ اس نے اپنے سارے حالات اسال کو بتائے۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ علم میں اس طرح ترقی کرتا رہا ہے۔ اور سوچ و بچار اور غور و فکر کے اس اعلیٰ مقام تک پہنچا ہے۔ جب اسال نے اس کی یہ ساری عجیب و غریب باتیں سنیں اور اس کی سمجھ بوجھ کا اندازہ لگایا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اس کے دل میں حیّ کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور وہ حیّ سے بہت زیادہ محبت کرنے لگا۔ حیّ کی داستان سن کر اسال کا ایمان بڑھ گیا۔ اس کا یقین طاقت ور ہو گیا۔ اس کے دل کی آنکھیں کھل گئیں اور اس کا دماغ روشن ہو گیا۔ اب دین کی ہر بات

آسانی سے اس کی سمجھ میں آجاتی۔ دین کا مشکل سے مشکل مسئلہ اس کے لئے آسان ہوگیا۔ دین کے پیچیدہ مسائل وہ بڑی آسانی سے سمجھنے لگا۔ اس طرح وہ دین کے انتہائی عقلمند اور سمجھدار علما کی صف میں شامل ہوگیا۔

اب اسال حیؔ کو بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا۔ کیوں کہ وہ حیؔ کو اللہ کے نیک بندوں میں شمار کرنے لگا۔ وہ اسے اولیاء اللہ میں سے سمجھتا تھا۔ جنہیں نہ خوف ہوتا ہے نہ ہی غم' اب اسال حیؔ کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنے لگا اور اس کے اشاروں پر چلنے لگا۔ اس دن سے اسال حیؔ کا بہترین دوست اور مخلص ترین ساتھی بن گیا۔

شریعت کی فضیلت : حیؔ اسال سے بہت سے سوالات پوچھتا رہا اسال اسے اپنے جزیرے کے بارے میں' وہاں کے لوگوں کے بارے میں' ان کی زندگیوں کے بارے میں اور سچے دین کے ان تک پہنچنے سے پہلے جو ان کے معاشرے کی حالت تھی' ان سب چیزوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس نے حیؔ کو بتایا کہ ان کے پاس نورِ ہدایت پہنچ چکا ہے اور اب ان کی زندگیوں میں تبدیلی آگئی ہے۔ اسال نے حی کو یہ بھی بتایا کہ جنت کیا ہے۔ دوزخ کیا ہے؟ حشر نشر' حساب و کتاب میزان' پل صراط' اچھے اعمال اور برُے اعمال کا بدلہ' روز قیامت کے حالات' ایک ایک چیز اسال نے حیؔ کو سمجھادی۔ حیؔ کو یہ سب باتیں بہت آسانی سے سمجھ میں آگئیں کیوں کہ غور و فکر کی وجہ سے وہ جس نتیجے پر پہنچا تھا۔ یہ ساری باتیں اس کے مطابق تھیں۔ اسے یقین تھا کہ جو سچا اور امین پیغمبرؐ یہ سیدھا سادھا اور سچا دین لے کر آیا ہے۔ اسے اللہ تبارک تعالیٰ نے ہی بھیجا ہے اور یہ رسولؐ اللہ کے دربار میں بہت بڑے مرتبے کا مالک ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا ہے حق ہے اس کی ہر بات سچی ہے۔ حیؔ رسولؐ اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آیا اور وہ بھی رسولؐ کے تابع دار اور فرمانبردار امتیوں میں شامل ہوگیا۔

حیؔ نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر کیا چیزیں فرض کی ہیں۔ اسال نے اسے نماز' زکوۃ' روزہ' حج اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں بتایا اور ان سب کاموں کی حکمتیں بھی اسے سمجھائیں۔ حیؔ یہ ساری چیزیں معلوم کرکے بہت خوش ہوا اور ان تمام چیزوں پر اس نے پورے خلوص سے عمل کرنا شروع کردیا۔ کیوں کہ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جس رسولؐ نے یہ تعلیم دی ہے۔ وہ سچا رسولؐ ہے۔

حیؔ کے خیالات : ایک بات حیؔ کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ جو باتیں اسال نے اسے سمجھائیں تھی ان میں یہی ایک بات تھی جس کی

حکمت وہ اب تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ لوگ مال و دولت کیوں جمع کرتے ہیں اور خورد و نوش کے سامان کی ذخیرہ اندوزی کیوں کرتے ہیں جبکہ یہی چیز لوگوں کو باطل کی طرف لے جاتی ہے اور حق سے دور کردیتی ہے۔ اس معاملے میں اس کی رائے یہ تھی کہ ہر شخص کو اپنی ضرورت کے مطابق سامان دنیا حاصل کرنا چاہئے جس سے اس کی زندگی باقی رہے، جہاں تک مال و دولت کا تعلق ہے اس کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ دین نے مال و دولت کے بارے میں جو احکامات دیئے ہیں، جیسے زکوۃ کے احکامات اور اس کی تقسیم، اسی طرح لین دین کے احکامات، سود کی ممانعت اور اسی طرح چوری اور ڈاکے کی سزائیں یہ سب باتیں اسے بڑی عجیب لگتی تھیں۔ وہ کہتا تھا کہ اگر لوگ ان تمام احکامات کی حکمت کو سمجھ جاتے تو اپنے غلط کاموں سے باز آجاتے۔ حق اور انصاف کے مطابق زندگی گزارتے۔ مال و دولت کی لالچ نہ کرتے۔ دولت جمع نہ کرتے اور سامانِ دنیا کی ذخیرہ اندوزی نہ کرتے اگر ان میں دنیا کی یہ لالچ موجود نہ ہوتی تو انہیں زکوٰۃ کے احکامات کی بھی ضرورت نہ پڑتی نہ چور چوری کرتے اور نہ ہی ان کے ہاتھ کاٹے جاتے۔

حیّ کے یہ خوبصورت خیالات اس نظریے کی وجہ سے تھے کیوں کہ وہ تمام انسانوں کو نیک اور پارسا سمجھتا تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ بھی نہیں تھا کہ کچھ انسانوں پر ان کی حیوانی خواہشات غالب آجاتی ہیں اور ان خواہشات کی غلامی کرتے ہوئے وہ جانوروں سے بھی نچلے درجے میں پہنچ جاتے ہیں۔

اسال سے گفتگو : لوگوں کی خرابیوں کے بارے میں حیّ کی فکر مندی جب بہت بڑھ گئی اور اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ان برائیوں سے نجات مل جائے تو اس نے ارادہ کیا کہ مجھے ان کے پاس جانا چاہیے۔ اور انہیں حق بات سمجھانی چاہئے۔ انہیں ان برائیوں پر خبردار کرنا چاہئے۔ حی نے اس سلسلے میں اپنے ساتھی اسال سے گفتگو کی اور اس سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی ترکیب ہوسکتی ہے کہ ہم اس جزیرے میں پہنچ جائیں تاکہ لوگوں کو نجات اور کامیابی کی راہ دکھاسکیں تاکہ لوگ سیدھے راستے پر آجائیں۔ اسال نے اسے جزیرے کے زیادہ تر لوگوں کی حالت سمجھائی کہ ان کی عادتیں خراب ہوچکی ہیں۔ اللہ کے احکامات کی روگردانی ان کی فطرت کا حصہ بن چکی ہے لیکن وہ یہ باتیں نہیں سمجھ سکا۔ اس کے دل میں لوگوں کی اصلاح کی امید اسی طرح موجزن تھی۔

سمندر کے کنارے : اسال کے دل میں

بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شاید اللہ تعالیٰ حی کے ذریعے سے کچھ لوگوں کو ہدایت دے دے۔ خاص طور پر وہ لوگ کہ جن میں نیکی اور اخلاص موجود ہے۔ یہ سوچ کر اس نے حی کے خیال کی تائید کی اور اس کی تجویز کو پسند کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس کی تمام تمناؤں کو اور اچھے خیالات کو پورا فرمائے ان دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس جزیرے تک جانے کے لئے انہیں سمندر کے پار جانے کی کوئی صورت نکالنی چاہئے۔ چنانچہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کیں کہ اے پروردگار ہمارے اس کام کے لئے کوئی راستہ پیدا فرمادے۔

کشتی میں : اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان ہی دنوں ایک کشتی سمندر میں اپنا راستہ بھول گئی۔ تیز ہواؤں اور خوفناک موجوں نے کشتی کو اس جزیرے کے قریب پھینک دیا۔ جب یہ کشتی جزیرے سے لگ گئی تو کشتی والوں نے اسال اور حی کو ساحل پر کھڑا ہوا دیکھا وہ ان دونوں کے قریب آئے۔ اسال نے ان سے گفتگو کی اور درخواست کی کہ وہ ان دونوں کو کشتی میں بٹھا کر ساتھ لے جائیں۔ کشتی والوں نے ان کی یہ درخواست قبول کرلی' وہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسی ہوا چلائی جس نے کشتی کو بہت جلد جزیرے پر پہنچادیا۔

جزیرے کے معززین : وہ دونوں کشتی سے اتر کر شہر میں چلے گئے۔ اسال کے دوست احباب جمع ہوگئے۔ انہوں نے حی کے بارے میں پوچھا تو اسال نے انہیں حی کے سارے حالات بتادیئے اب تو حی کے گرد لوگوں کا ایک جھمگھٹا لگ گیا۔ ہر طرف سے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ ہر ایک کے دل میں اس کی بڑائی اور عظمت تھی۔ وہ سب لوگ حی کی بہت زیادہ عزت کررہے تھے۔ اب اسال نے حی کو بتایا کہ یہ تمام لوگ اس جزیرے کے خواص اور معززین ہیں۔ ان کا شمار جزیرے کے دانا اور عقلمند انسانوں میں ہوتا ہے۔ جزیرے کے تمام لوگوں میں یہی سب سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ وہ اگر ان عقلمند معززین کو دین کی صحیح تعلیمات سمجھانے میں کامیاب نہ ہوسکا تو عام لوگوں کو دین کی تعلیمات سمجھانا تقریباً ناممکن ہوگا۔ اس وقت اس جزیرے کا سردار سلامان تھا جس کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں کہ وہ اسال کا دوست تھا وہ مل جل کر کام کرنے کو پسند کرتا تھا اور تنہائی سے نفرت کرتا تھا۔

(باقی آئندہ)

قلم دوست

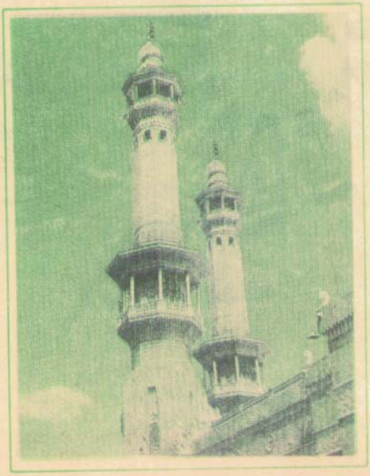

روشنی

محمد سلیم امام

حضرت عمرؓ فاروق تنہا کہیں جا رہے تھے۔ ایک کافر کو علم ہوا کہ یہ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں تو وہ بھاگ کر ان کے قریب پہنچا اور سوال کیا "آپ مسلمانوں کے امیر ہیں؟" حضرت عمرؓ فاروق نے جواب دیا "امیر نہیں محافظ، میں ان کا محافظ ہوں۔" اس کافر نے کہا۔ "آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ کیوں نہیں رکھتے؟" حضرت عمرؓ فاروق نے جواب دیا "عوام کا یہ کام نہیں کہ وہ میری حفاظت کریں بلکہ یہ میرا کام ہے کہ میں ان کی حفاظت کروں۔"

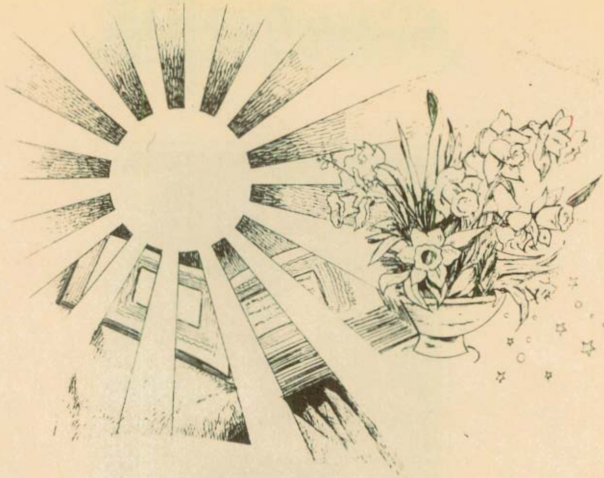

کیا آپ آخری سفر کیلئے تیار ہیں

انتخاب : **اسما تھانوی**، کراچی

جدہ کے ایک کثیر الاشاعت جریدے "عکاظ" نے اپنے ہفتہ وار ایڈیشن میں ایک ایسا دلچسپ اعلان کیا ہے جو فکر انگیز بھی ہے اور آج کے دور ابتلا میں اہم بھی۔ اس اعلان کا اردو ترجمہ "عکاظ" کے شکریئے کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

مختصر مضمون کے اسرار و رموز کو سمجھ کر زندگی کا قبلہ درست کرنے میں یقیناً" مدد ملے گی۔

ٹکٹ : فری

سیٹ : محفوظ

سفر: نفع بخش

اہلیت و شرائط :

نام : عبداللہ ابن آدم

عرفیت : انسان

قومیت : مسلمان

شناخت : مٹی

پتہ : روئے زمین

سفر کی تفصیلات :

روانگی : از فرودگاہ دنیا

منزل : دارالاخرت

مدت سفر : چند ثانیے جس میں چند لمحوں کے لئے دو میٹر زیر زمین پرواز

پرواز کا وقت : وقت اجل

ریزرویشن : یقینی

ضروری ہدایات

تمام مسافران کرام سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنی نظر میں رکھیں جو ان سے پہلے آخرت کی طرف سفر کر گئے ہیں۔ اسی طرح ہر لمحہ ان کی نظر طیارے کی کیپٹن حضرت ملک الموت کی طرف رہنی چاہئے۔ مزید تفصیلات کے لئے ان ضروری ہدایات کو بغور پڑھ لیں جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ میں درج ہیں اور ان پر عمل کریں۔ اگر کچھ سوالات درپیش ہوں تو جواب کے لئے علمائے امت سے رجوع کریں۔ پرواز کے دوران آکسیجن کی کمی کی صورت میں آکسیجن ماسک خود بخود آپ کے سامنے گر جائے گا..... معاف کیجئے..... ماسک نہیں گرے گا بلکہ سارے پردے نگاہوں کے سامنے سے خود بخود گر جائیں گے اور یقیناً پھر آپ ہر قسم کی آکسیجن سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

کتنا سامان سفر ساتھ لائیں

ہر مسافر اپنے ساتھ پانچ میٹر سفید لٹھا اور تھوڑی سی روئی لے جاسکتا ہے لیکن وہ سامان جو میزان پر پورا اترے گا' نیک اعمال' صدقہ جاریہ' نیک اور صالح اولاد اور وہ علم ہوگا جس سے بعد میں دوسرے لوگ نفع حاصل کر سکیں گے۔ اس سے زیادہ سامان سفر ساتھ لانے کی کوشش کی گئی تو اس کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ تمام مسافران کرام سے درخواست ہے خواہ ان کے پاس طیارے کا بورڈنگ کارڈ موجود ہے یا نہیں ہے' یا ان کے پاسپورٹ اور کاغذات سفر تیار ہیں

یا نہیں.....سب کے لئے ضروری ہے کہ وہ پرواز کے لئے ہر وقت تیار رہیں.....پرواز سے متعلق مزید معلومات کے لئے فوری طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ استوار کیا جائے اس سلسلے میں روزانہ پانچ وقت اللہ کے گھر کی حاضری مفید رہے گی۔ آپ کی سہولت کے لئے دوبارہ عرض ہے کہ آپ کی سیٹ ریزرو ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں کسی ری کنفریشن کی حاجت نہیں۔

ہمیں امید ہے کہ آپ سفر کے لئے تیار ہوں گے ہم آپ کو اس مبارک سفر پر خوش آمدید کہتے ہیں، ہماری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو.....!!

خوشبو

سمیرا معین

کراچی

اگست ۱۹۴۷ء کی خوبصورت شام تھی۔ گورنر جنرل ہاؤس کے وسیع و عریض چبوترے پر قائداعظمؒ مسکرا مسکرا کر لوگوں سے مبارک باد وصول کر رہے تھے ایک غیر ملکی صحافی نے کہا "آپ کتنے خوش نصیب ہیں، آپ نے آج اپنی قوم کے لئے ایک ملک حاصل کرلیا ہے۔ آپ بانی پاکستان ہیں۔"

قائداعظمؒ نے جواب دیا۔ "میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ پاکستان میری زندگی میں بن گیا-- --لیکن میں پاکستان کا بانی نہیں ہوں۔"

غیر ملکی صحافی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ اس ملک کے بانی نہیں تو پھر بانی کون ہے؟"

قائداعظمؒ نے جواب دیا "ہر ایک مسلمان۔"

لعل بخش ، کراچی

○ ایک دوسرے پر اعتماد ہی سے ایک دوسرے سے تعاون بڑھتا ہے۔

○ میں اپنے نوجوانوں کو یہ بات اچھی طرح بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ خدمت، ہمت اور برداشت کے سچے جذبات کا مظاہرہ کریں۔ ایسی شریفانہ اور بلند مثالیں قائم کریں کہ آپ کے ہم عصر اور آنے والی نسلیں آپ کی تقلید کریں۔

اس کی ہم تعمیر کریں سب

ثوبیہ سجاد، سرگودھا

دیس ہمارا جان سے
اس کی ہم تعمیر کریں
اس کے ہم سب ہاتھ
اپنے پاؤں پہ خود یہ کھڑا
جس کے سامنے روشن کل
جس کا ماضی تابندہ
جس کا آج بھی رخشندہ
کوئی جس میں تنہا نہ
کوئی نہ جس میں بیگانہ
جو ہو، اس کا پروانہ
جس کے بچے پڑھیں لکھیں
قوم کی وہ تعمیر کریں
جس سے بنے تقدیرِ وطن
روشن ہو تصویرِ وطن
قوم کے وہ معمار بنیں
ٹیپو کی تلوار بنیں
قول کے پکے عزم کے
جیسے ہمارے قائدِ
ان میں ہوں اقبال اور
قائدِ ملت اور سر

سائی پے رس

آصف اقبال، کراچی

سائی پے رس کو چہرے کی بدصورتی کی وجہ سے معاشرے نے محبّت نہ دی تو نفرتوں کی آگ نے اس کے اندر سے اچھے آدمی کو بھسم کر ڈالا۔ گرم گرم اُبلتا ہوا لہو پی کر اسے تسکین ملتی تھی۔ اگر وہ پانی یا کوئی مشروب پی لیتا تو اسے دورہ پڑ جاتا.... وہ خون پینے والا ڈریگن بن چکا تھا....!!

جب وہ پیدا ہوا تو لوگ ڈر گئے عجیب و غریب چہرہ تھا اس کا! ناک، گال.... اور ہاتھوں پر لمبے لمبے بال، بھنویں دونوں بالکل مِلی ہوئیں اور بے حد گھنی۔ "اس کی آنکھیں دیکھی ہیں تم نے کیسی شیطانی چمک ہے اس میں.....!!" "لگتا ہے کوئی شیطانی روح انسان کے روپ میں پیدا ہوئی ہو۔" جس نے دیکھا یہی کہا۔

لوگوں نے اس کی پیدائش پر طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ جب تک وہ ننھا مُنّا بچّہ رہا، لوگوں کی نگاہوں اور باتوں کے مفہوم کو نہ سمجھ سکا۔ لیکن جب کچھ سمجھدار ہوا، اسے لوگوں کے رویّے سے سخت تکلیف پہنچنے لگی۔ تکلیف تو اس کے ماں باپ کو بھی بہت ہوتی تھی۔ جب وہ لوگوں کی باتیں سنتے اور اسے افسُردہ ہوتے ہوئے دیکھ کر خود بھی افسُردہ ہو جاتے۔ ایک روز وہ اسے ایک اچھے پلاسٹک سرجری کے ماہر ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے جب اسے دیکھا تو خوف سے ایک لمحے کو اسے بھی جھرجھری آگئی۔ اس نے راجر کا تفصیلی معائنہ کیا اور اس کے والدین کو بتایا کہ "سائی پے رس" نامی بیماری کی وجہ سے بچّے کی یہ حالت ہوئی ہے۔ "اس کا چہرہ پلاسٹک سرجری کی مدد سے تبدیل کیا جاسکتا ہے اس تبدیلی پر تقریباً پانچ لاکھ کا خرچہ آئے گا۔"

ڈاکٹر کی بات سُن کر اس کے والدین اسے واپس گھر لے آئے۔ وہ اتنے غریب تھے کہ زندگی بھر پانچ لاکھ کا بندوبست نہیں کرسکتے تھے۔

"بیٹے! لوگوں کی باتوں کی پرواہ مت کیا کرو۔ ہمیشہ خوش خوش رہا کرو۔" وہ اسے اکثر سمجھاتے۔ وہ خوش رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا لیکن کوئی اسے خوش نہ رہنے دیتا اور جب قصبے کے لوگوں کو یہ پتہ چلا کہ اس کی شکل و صورت "سائی پے رس" بیماری کی وجہ سے بِگڑی ہے تو انہوں نے اسے اسی نام سے پکارنا شروع کردیا۔ کوئی اسے "راجر" نہ کہتا..... سب یہی کہتے..... "سائی پے رس..... سائی پے رس.....!!"

اسکول میں ایک روز جب کہ لڑکے اسے "شیطانی روح" اور "ڈریگن" کہہ کر چھیڑ رہے تھے، اس نے غصّے میں آکر ایک لڑکے کے

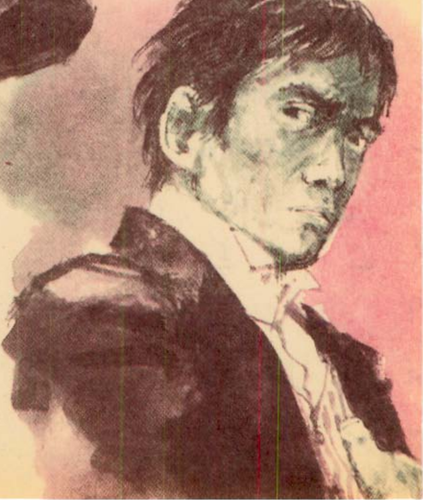

بازو پر کاٹ لیا اور اس بُری طرح کاٹا کہ اس کا خون نکل آیا۔ لڑکوں نے بڑی مُشکل سے اس لڑکے کو چھڑایا...... سائی پے رس نے جب لڑکے کے بازو میں کاٹا تو لڑکے کے خون کا نمکین ذائقہ اسے بے حد اچھا لگا۔ گھر آکر اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ اپنے کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اس کے اندر خون پینے کی خواہش سر اُٹھانے لگی تھی۔

اسی شام اس نے پڑوس کی دو مُرغیاں پکڑیں۔ والدین کی نظر بچا کر انہیں اپنے کمرے میں لے گیا اور پھر چھُری سے ان کی گردن کاٹ

ڈالی۔ مُرغیوں کی گردن سے اُبلنے والا گرم گرم خون پی کر اسے بے حد مزا آیا۔ اب اسے خون پینے کی چاٹ لگ گئی تھی۔ خون پینے سے اسے بڑی تسکین ملتی۔

سائی پے رس کو معاشرے نے محبّت نہ دی۔ نفرتوں نے اسے خون کا چسکا لگا دیا..... جب وہ جوان ہوا تو اس کے والدین انتقال کر گئے۔ جوان ہو کر اس کا چہرہ اور زیادہ ڈراؤنا ہو گیا۔ جب چاند کی چودھویں تاریخ آتی تو وہ قبرستان میں نکل جاتا اور آسمان کی طرف منہ کر کے عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگتا پھر جو بھی قبر تازہ نظر آتی اسے کھود ڈالتا اور لاش نکال کر اس کی گردن میں اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیتا پھر اس کے جسم کا بچا کھُچا خون پی جاتا۔ اسے پانی یا کوئی مشروب بالکل اچھا نہ لگتا۔ جب بھی وہ پانی یا کوئی مشروب پینے لگتا تو اسے دورہ پڑ جاتا۔

اس کے جسم پر ریچھ کی طرح بال تھے۔ ان بالوں میں وہ اور زیادہ بھیانک اور خوفناک نظر آتا۔ جب وہ شیو کر لیتا تو کچھ بہتر دکھائی دیتا لیکن لوگ اس کی بہتر حالت کے باوجود اسے نفرت انگیز ناموں سے پکارتے جس سے اس کے اندر لوگوں کا خون پینے کی خواہش سر اُبھارنے لگتی۔

سائی پے رس خون پینے لگا ہے' یہ بات قصبے میں کسی کو نہیں معلوم تھی لیکن جب تازہ قبریں اُکھڑنے لگیں تو لوگوں کو کان کھڑے ہوئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کوئی بجّو ہے جو قبرستان میں گھس آتا ہے۔ اور تازہ قبریں کھود کر لاشیں چبا ڈالتا ہے۔

چاند کی چودھویں تاریخ کو قصبے کے شیرف کا انتقال ہو گیا۔ اس کی لاش قصبے کی قبرستان میں دفنا دی گئی۔ لوگ اسے دفنا کر واپس گھروں کو چلے گئے۔ اور پھر جب..... چاند کی روشنی اپنے عروج پر پہنچ گئی تو ایک سایہ قبرستان میں نکل آیا۔ اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے بھیڑیے کی طرح بھیانک آوازیں نکالنی شروع کر دیں' ایسی بھیانک آوازیں جسے کوئی سُن لے تو خوف سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے۔

آسمان کی طرف منہ کر کے کافی دیر تک وہ سایہ بھیانک آوازیں نکالتا رہا۔ آج اس کی آواز میں بے حد درد بھی تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اللہ سے کوئی شکوہ کر رہا ہو۔

سایہ بھیانک آوازیں نکال نکال کر تھک گیا تو لڑھکتا ہوا شیرف کی قبر تک جا پہنچا..... اور تازہ قبر کی اپنے نوکیلے ناخنوں سے کھودنے لگا۔ قبر کھد گئی تو لاش نکال کر اپنے نوکیلے ناخنوں سے اسے اُدھیڑنے لگا۔ سائے نے شیرف کا چہرہ جگہ جگہ سے تار تار کر ڈالا۔ (شیرف نے ایک بار اسے "ڈریگن" کہا تھا) شیرف کا چہرہ تار تار ہو گیا تو اس نے اس کی گردن میں اپنے نوکیلے دانت گاڑھ دیئے اور اس کے ٹھنڈے لہو سے اپنی پیاس بُجھانے لگا..... ابھی اس نے تھوڑا سا ہی خون پیا تھا کہ قبرستان میں "ٹھائیں ٹھائیں" کی آوازیں آئیں۔ کچھ لوگ دوڑتے ہوئے شیرف کی قبر کے نزدیک آئے۔ ان کے ہاتھوں میں پستولیں تھیں۔ انہوں نے خوف کے عالم میں دیکھا چاند کی روشنی میں شیرف کی اُدھڑی ہوئی لاش ایک ہیبت ناک منظر پیش کر رہی ہے جب کہ دوسری لاش اس پر اوندی پڑی تھی۔ آگے بڑھ کر اوندھی پڑی دوسری لاش کو سیدھا کیا گیا تو لوگوں کی خوف و حیرت سے چیخیں نکل گئیں۔ بھیانک چہرے والی وہ لاش سائی پے رس کی تھی..... سائی پے رس 'جواب مر چکا تھا.....!!

یہ ناچتی ہوئی پُتلی بتا نہیں سکتی

لبنیٰ سعدیہ، کراچی

بتاؤ دیگ میں چمچہ چلا رہا ہے کون
یہاں پہ کھانا نہیں ہے تو کھا رہا ہے کون
ذرا سا پانی ہے اس کا نہ خاتمہ ہوجائے
یہ باتھ روم میں اب تک نہارہا ہے کون
ہمارے کان کے پردے سوال کرتے ہیں
ہمارے گھر کے برابر میں گارہا ہے کون
کوئی بھی کام یہاں کوئی بھی نہیں کرتا
نہ جانے ملک ہمارا چلا رہا ہے کون
یہ خانہ جنگی ہمارے وطن میں عام ہے کیوں
ہم ایک ہیں تو یہ ہم کو لڑا رہا ہے کون
یہ ناچتی ہوئی پُتلی بتا نہیں سکتی
کہ ڈوریاں پسِ پردہ ہلا رہا ہے کون
خدا کی دین ہے لُبنیٰ یہ شاعری اپنی
میں لِکھ رہی ہوں تو مجھ کو بتارہا ہے کون

جیسے کو تیسا

راشد محمود، کراچی

شیخ سعدی اپنی کتاب گلستان میں یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہے کہ ایران کا بادشاہ عمرو لیث کا ایک غلام موقع پاکر فرار ہو گیا۔ لوگوں کو جب پتہ چلا تو وہ اسے ڈھونڈ کر پکڑ لائے۔ بادشاہ کا ایک وزیر کسی وجہ سے اس غلام سے ناراض تھا۔ جب غلام کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا تو وزیر نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اس گستاخ کو قتل کر دیا جائے اگر اسے یہ سزا نہ دی گئی تو غلاموں کے حوصلے بڑھ جائے گے اور وہ بھاگنا شروع کر دیں گے۔ غلام نے وزیر کی بات سنی تو تو سمجھ گیا یہ ظالم مجھے دشمنی کی وجہ سے قتل کرانا چاہتا ہے۔ اس نے بڑے ادب سے کہا "یہ غلام بادشاہ سلامت کا نمک خوار ہے۔ بے شک مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے لیکن میرے دل سے حضور کی خیر خواہی اور محبت کم نہیں ہوئی اور محبت کی وجہ سے یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ مجھے قتل کرا کے میرا خونِ ناحق اپنی گردن پر نہ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن میرے قتل کے بارے میں پوچھا جائے تو حضور جواب نہ دے سکیں اگر آپ مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا جواز پیدا کریں۔" بادشاہ نے سوال کیا، "وہ کیسے؟" غلام فوراً بولا "حضور! پہلے میں اس وزیر کو قتل کر دوں پھر اس گناہ میں حضور مجھے قتل کر دیں۔" غلام کی یہ بات سُن کر بادشاہ کو ہنسی آگئی۔ اس نے وزیر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بتا اب تیرا مشورہ کیا ہے؟" وزیر خوف سے کانپتے ہوئے بولا "حضور! اس فتنے کو اپنے بزرگوں کے صدقے آزاد ہی کر دیں تو اچھا ہے۔ کہیں یہ سچ مچ مجھے کسی مصیبت میں نہ پھنسا دے قصور میرا ہی ہے کہ میں نے عقلمندوں کی یہ بات یاد نہ رکھی کہ حقیر کو بھی حقیر نہ سمجھو۔"

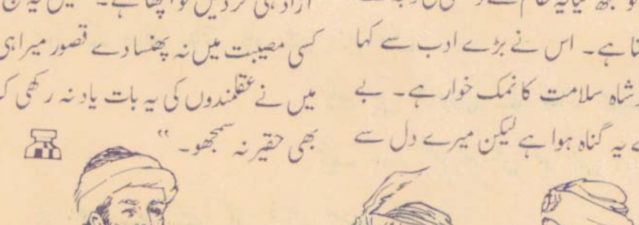

میں وزیر ہوں

ایک وزیر کے خوفناک عزائم

شاعر: شوکت تھانوی

انتخاب: محمد رضا پاکستانی (کراچی)

لوگو! مجھے سلام کرو میں وزیر ہوں
گردن کے ساتھ خود بھی جھکو، میں وزیر ہوں

گردن میں ہار ڈال دو میں جُھک سکوں اگر
نعرے بھی کچھ بُلند کرو، میں وزیر ہوں

تم ہاتھوں ہاتھ لو مجھے دورے پہ آؤں جب
موٹر کے ساتھ ساتھ چلو، میں وزیر ہوں

لکھے ہیں شاعروں نے قصائد میرے لئے
ایک آدھ نظم تم بھی کہو، میں وزیر ہوں

جو مجھ سے کہنے آؤ خبردار مت کہو
جو کچھ میں کہہ رہا ہوں سُنو! میں وزیر ہوں

میں وہ نہیں کہ یوسفِ بے کارواں پھروں
میرا جلوس لے کے چلو، میں وزیر ہوں

مجھ سے قرابتوں کو بس اب بھول جاؤ تم
اے میرے بھائی بند گدھو! میں وزیر ہوں

مجھ کو تو مل گئی ہے وزارت کی زندگی
مرتے ہو تم تو جاؤ مرو، میں وزیر ہوں

توبہ ہی بھلی

ایم اے قریشی، اسلام آباد

ایک دن ہمارے بھیجے میں یہ خیال گھس آیا کہ کیوں نہ ہم جاسوسی کریں ...... کیا خبر کسی بڑے مجرم کو گرفتار کروانے میں کامیاب ہی ہو جائیں۔ بس جناب پھر کیا تھا ہم نے زیادہ ساری جاسوسی کہانیاں پڑھ ڈالیں۔ جب ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم جاسوس بن چکے ہیں تو پھر جاسوسی کا سامان اکٹھا کرنا شروع کیا۔ یوں ہم نے ایک جوڑا دستانے، ٹارچ، دوربین اور ایک نوٹ بک خرید لی۔ اب ہم نے سوچنا شروع کر دیا کہ جاسوسی کہاں سے شروع کی جائے۔

ابھی ہم خیالی پلاؤ پکا ہی رہے تھے کہ امی جان کی کرخت آواز سنائی دی۔ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے حکم دیا کہ "جاؤ بازار سے ایک کلو گوشت لے آؤ۔" مجبوراً سامان لانے کے لئے جانا پڑا اور ہم اپنی ذاتی سائیکل پر بازار روانہ ہو گئے۔

ابھی ہم نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ ایک بچّہ ہماری سائیکل کے سامنے آگیا۔ ہم نے گھنٹی بجا کر اسے خبردار کرنا چاہا تو پتہ چلا کہ کوئی ہماری سائیکل کی گھنٹی پر ہاتھ صاف کر چکا ہے۔

آخر سائیکل اس بچّے سے ٹکرا گئی۔ ہم نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو بچے کی والدہ آگئیں اور انہوں نے ہمیں بے بھاؤ کی سنائیں۔ وہاں سے بچ بچا کر بازار پہنچے پھر ایک دکان سے سودا سلف لینے کے بعد جیب میں ہاتھ ڈالا تو انکشاف ہوا کہ جیب سے پچاس روپے کا نوٹ غائب ہے۔ یعنی جیب کٹ چکی تھی۔

جو تھوڑے بہت پیسے تھے اس سے سودا وغیرہ لیا اور گھر واپس ہوئے پھر ہمارے پیروں تلے سے سائیکل اور زمین نکل گئی (محاورتاً نہیں حقیقتاً" اور ہم ایک گندے پانی کے گڑھے پانی میں نہانے لگے۔ کافی روز ہو گئے تھے نہائے ہوئے۔ اس سے پہلے کہ ہم بے ہوشی کی دنیا میں پہنچتے، چند شریف لوگوں نے ہمیں گڑھے سے باہر نکالا۔ ہر کوئی ہمیں ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ہم دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہوں۔

بہرحال گھر واپس آئے تو گھر والے ہمیں دیکھ کر ڈر گئے چھوٹی بہن تو بھوت بھوت کہتی ہوئی بھاگ کھڑی ہوئی۔

پھر امی جان کی بہت ساری ڈانٹ کھانے کے بعد ہم نہا دھو کر ایم اے قریشی بن گئے اور جاسوس زیر وزیرو بننے کے خیال سے توبہ کرنے لگے کہ جب ہم سودا سلف کا چھوٹا سا کام ہی ٹھیک طور سے نہ کر سکے تو پھر جاسوسی بھلا کیا خاک کرتے!!

پیار کا جادو

سید محمد اسامہ، راولپنڈی

اس بار اس کی سائیکل مجھ سے کافی آگے تھی۔ اسد تک پہنچنے کے لئے میں نے سائیکل کی رفتار تیز کردی جیسے ہی میں گلی کے موڑ پر پہنچا میں نے دیکھا سامنے سے ایک گاڑی چلی آرہی ہے۔ گاڑی دیکھ کر میں اک دم سے گھبرا گیا۔ اسد تو بائیں طرف مڑ گیا اور میں نے گھبراہٹ میں سائیکل دائیں طرف کاٹ دی۔ گاڑی سے تو بچت ہوگئی لیکن سائیکل کا ہینڈل پوری طرح گھوم گیا اور میں بری طرح پکی سڑک پر گرا۔ گرتے گرتے مجھے یوں لگا جیسے میرے سینے میں کوئی چیز چبھ گئی ہو۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ لوگ آجا رہے تھے۔ لیکن کوئی مجھے اٹھانے میرے قریب نہیں آرہا تھا۔ سامنے ویڈیو کی.... دکان تھی جہاں گلی کے پانچ چھ بڑے لڑکے بیٹھے ہوئے میری حالت پر ہنس رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "اور چلاؤ تیز سائیکل ---- مزا آیا اب اس کو جتنا منع کرو یہ اتنا ہی تیز چلاتا ہے۔!!" اس

کی یہ بات سن کر میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ میں نے پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن چکر سا آگیا۔ اس سے پہلے کہ میں گرتا دو ہاتھوں نے مجھے سنبھال کر کھڑا کردیا۔ "کہاں لگی ہے چوٹ؟ ہاتھ ہٹاؤ اپنا۔" میں نے اپنے سینے پر سے ہاتھ ہٹادیا۔

لگتا ہے سائیکل کا ہینڈل آپ کے سینے پر لگ گیا ہے۔ اتنا حصہ سرخ ہو رہا ہے۔" میں نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ بھائی جان کی عمر کے وہ کوئی انکل تھے۔ وہ کچھ دیر تک آہستہ آہستہ میرے سینے کو سہلاتے رہے۔ پھر بڑی محبت سے پوچھا۔

"اب بھی ہو رہی ہے تکلیف؟"

"نہیں انکل!" میں نے بڑے دھیرے سے کہا۔ حالانکہ ہلکی ہلکی تکلیف اب بھی ہو رہی تھی۔ "اتنے ننھے سے آپ ہیں اور اتنا منا سا آپ کا دل ہے - - - دیکھئے کس بری طرح دھڑک رہا ہے پھر بھی آپ اتنی تیز سائیکل چلاتے ہیں۔" وہ دھیمے دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔"دیکھئے آپ تو اتنے پیارے اتنے اچھے بچے ہیں۔ تیز سائیکل تو گندے بچے چلاتے ہیں۔ آپ تو نہیں ہیں ناں گندے بچے؟" انہوں نے بڑے پیار سے پوچھا میں نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں بہت چمک تھی اور کالا رنگ ہونے کے باوجود ان کا چہرہ بہت اُجلا تھا۔ ان کا دھیما لہجہ، شفقت و محبت بھرے ہاتھوں کا لمس - - - وہ لمحہ مجھے بہت اچھا لگا۔ "کہاں ہے آپ کا گھر؟ آئیں ہم آپ کو چھوڑ آئیں۔" انہوں نے کہا "ارے اسے کیا ہوا؟" اسی وقت سامنے سے ماموں جان آگئے۔ "کچھ نہیں ہوا بس ذرا سائیکل سے گر گیا ہے۔ اس کے سینے میں ہلکی سی چوٹ آگئی ہے گھر لے جا کر چوٹ کی کوئی دوا لگا دیجئے گا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے مسجد پہنچنا ہے۔" انہوں نے مجھے ماموں جان کے حوالے کر دیا اور مسجد کی طرف جانے لگے۔

ماموں جان نے میری اُنگلی تھامی ایک ہاتھ سے سائیکل اور پھر ان کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ "چلو گھر آج تو تمہاری مار لگواؤں گا۔ آج پھر حادثہ - - - کتنی بار منع کیا ہے تیز سائیکل نہ چلایا کرو - - - لیکن - - - !!" ماموں پتا نہیں کیا کیا کہتے رہے پر مجھے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ میں چلتا جا رہا تھا اور مڑ مڑ کر ان انکل کو دیکھتا جا رہا تھا جو ظہر کی نماز پڑھنے مسجد کی طرف چلے جا رہے تھے۔ پہلے لوگ مجھے تیز سائیکل چلانے پر روکتے تھے۔ گھر میں مار بھی لگتی تھی لیکن کبھی کسی نے اتنے پیار سے اتنی محبت سے نہیں کہا تھا کہ "دیکھئے آپ اتنے اچھے پیارے سے بچے ہیں - - - تیز سائیکل تو گندے بچے چلاتے ہیں اور آپ تو؟" ان انکل کی بات میرے دل کو لگ گئی۔ میں نے تیز سائیکل چلانا چھوڑ دی ہے پھر نماز بھی پڑھنی شروع کر دی ہے۔ اب جب بھی میں مسجد جاتا ہوں تو میری نگاہیں ان انکل کی تلاش میں رہتی ہیں جنہوں نے میرے ساتھ بڑی نیکی کا کام کیا تھا۔ نیکی اور محبت کا وہ یادگار لمحہ میں کبھی نہیں بھول سکوں گا - - - !!

آٹوگراف

☆ خیرات روح کی پاکیزگی ہے۔

☆ زندگی جیسے بوسیدہ گھر کو آپ بزرگوں کی دُعاؤں کی بنیاد ڈال کر اور اچھے اخلاق کی مدد سے خوشیوں کے عالیشان محل میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

فرمان اللہ خان غالب، مردان

شرم تم کو مگر نہیں آتی

ذیشان حبیب شانی، کراچی

پہلے آتی تھی اک اشارے پر
اب کسی بات پر نہیں آتی

کھارادر ہم پہنچ گئے پیدل
بس کی صورت نظر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں نزلے کی
چھینک آتی ہے پر نہیں آتی

ہم کو اس سال پاس ہونے کی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

فیل ہونا تو خیر برحق ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

علم کا فائدہ ہے سب معلوم
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

مدرسے کیسے جاؤ گے شانی
شرم تم کو مگر نہیں آتی

میں بھول گیا تھا

محمد واصل منہاج، کراچی

ایک دن ہمارے بھائی جان نے جو بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے ہیں، بچوں سے کہا "کل سب بچے ہاتھی پر مضمون لکھ کر اور یاد کر کے آئیں گے۔

خیر اگلے دن بھائی جان نے پہلے بچے سے کہا "چلو اپنا کام چیک کراؤ" اس نے کہا "سر میں بھول گیا۔" بھائی جان نے دوسرے بچے سے کہا۔ اس نے بھی کہا "سر میں نے لکھا تو ہے مگر کاپی گھر بھول آیا ہوں۔" بھائی جان نے تیسرے بچے سے پوچھا تو اس نے کہا "سر میں جب یاد کر رہا تھا تو میری کاپی چھوٹے بھائی نے چھین کر پانی میں پھینک دی۔ جب میں اٹھانے لگا تو امی نے آواز دے دی اور میں پھر بھول گیا۔ اب تو بھائی جان کو بہت غصہ آیا اور سب بچوں کے کان پکڑوا دیئے۔ پھر بھائی جان کے لئے آپا چائے لائیں تو بھائی جان بولے۔

"میری آپی بہت اچھی ہیں یہ کچھ نہیں بھولتیں اور یہ کہتے ہوئے چائے کا ایک سپ لیا تو آپی سے کہنے لگے: "یہ تو پھیکی ہے آپ نے شکر نہیں ڈالی؟" "اوہ! میں تو بھول ہی گئی۔ اچھا ابھی لاتی ہوں شکر۔" آپی شکر لینے چلی گئیں تو بھائی جان جھنجلا کر بولے۔ "سب بھول جاتے ہیں ایک میں ہی ہوں جو کبھی نہیں بھولتا۔" چھٹی کے بعد جب وہ باہر جانے لگے تو ہم سب نے دیکھا وہ کوٹ کے نیچے شلوار پہنے ہوئے تھے۔ بچے ہنسنے لگے۔ آپی بھی ہنسنے لگیں۔ "کیوں ہنس رہے ہو سب؟" "آپ کوٹ کے نیچے شلوار پہنے ہیں۔" آپی نے ہنس کر بتایا۔ بھائی جان اک دم سے شرمندہ ہو گئے پھر آہستہ سے بولے "معاف کرنا میں بھی بھول گیا تھا"!!

بلاعنوان

رضوان اکرم شانی، رحیم یار خان

اس بلاعنوان کہانی کا دلچسپ عنوان آپ ساتھیوں نے منتخب کرنا ہے۔ تین دلچسپ عنوان منتخب کرنے والے ساتھیوں کو "آنکھ مچولی" دو ماہ تک اعزازی روانہ کیا جائے گا۔ عنوان روانہ کرنے کی آخری تاریخ ۸ دسمبر ۹۵ء ہے۔

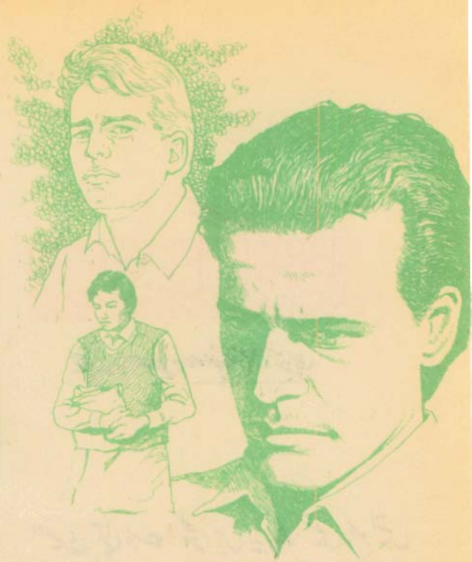

راشد بڑے غور سے اس شخص کی جانب دیکھ رہا تھا، پارک میں ہر طرف ہلچل تھی بچے خوش ہو رہے تھے ہر آدمی خوش گپیوں میں مصروف تھا لیکن وہ اجنبی اسے بہت پریشان لگ رہا تھا جو ابھی ابھی پارک میں داخل ہوا تھا۔ راشد ابھی اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ

...... کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے آدمی سے باتیں کرنے لگا۔ وہ شاید اس سے کوئی مالی مدد مانگ رہا ہے۔ راشد نے اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر اندازہ لگایا۔

راشد ایک گاؤں میں رہتا تھا وہ گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے اپنے چچا کے گھر آیا ہوا تھا۔ اور اس وقت اپنے کزن نعمان کے ہمراہ پارک میں سیر وتفریح کے لئے گیا ہوا تھا۔ نعمان نے اسے خبردار کیا تھا کہ یہاں دھوکے باز لوگ اجنبیوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اسی لمحے جب وہ اجنبی اٹھ کر جانے لگا تو راشد نے کہا" آپ مجھے پریشان دکھائی دیتے ہیں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" وہ راشد کی ہمدردانہ آواز سن کر چونک گیا اور راشد کے پاس آکر بیٹھ گیا" میں ایک مسافر ہوں میرا نام جبار علی ہے، آج ہی اس شہر میں آیا تھا کہ ہوٹل میں کمرہ لینے کے بعد مجھے خیال آیا کہ گھر سے تولیہ لانا بھول گیا ہوں۔ چنانچہ تولیہ خریدنے کے لئے جب میں بازار گیا تو مجھے وہاں کوئی دکان کپڑے کی نظر نہ آئی میں چونکہ اجنبی تھا اس لئے دور نکل گیا تولیہ لے کر جب میں ٹیکسی میں سوار ہوا تو ہوٹل کا نام سن کر ڈرائیور نے کہا جناب اس شہر میں تو ایسے کئی ہوٹل ہیں آپ اس

سڑک کا نام بتایئے یہ سن کر میں چکرا گیا کیونکہ سڑک کا نام تو میں سرے ہی سے نہیں جانتا تھا اب جو میں جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب سے گزر گیا جیب بھی کسی کم بخت نے کاٹ لی تھی۔ اب کسی سے مدد چاہتا ہوں تا کہ واپس جا کر پیسے لاؤں اور اپنا سامان بھی ہوٹل سے لوں۔ میرا شہر یہاں سے صرف ڈیڑھ سو کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس مسافر کی کہانی سنکر راشد کو نعمان کی کہانی یاد آئی کہ ایک اجنبی نے اسے بھی ایسے ہی لوٹ لیا تھا۔ تاہم وہ شخص اسے بالکل سچا لگ رہا تھا وہ اس کی مدد کرے یا نہ کرے اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اس نے اچانک پوچھا:

"لیکن جناب آپ مجھے وہ تولیہ تو دکھایئے جو آپ نے خریدا تھا۔" اس اچانک سوال پر وہ بوکھلا گیا رنگ فق ہو گیا۔ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اس نے بیگ دیکھا "تولیہ کدھر ہے؟ کیا وہ گر گیا ہے؟" وہ بڑبڑایا۔ راشد نے بیگ کو غور سے دیکھا یہ تو بالکل خالی ہے۔" لڑکے! وہ تولیہ تو کہیں گر گیا" پھر وہ چونک کر اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتے پارک سے باہر نکل گیا۔ راشد کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی "خدا کا شکر ہے میں نے وہ روپے اس کو نہیں دیئے جو میں کرکٹ کا سامان خریدنے کے لئے گھر سے لایا تھا۔" یہ سوچتے ہوئے اس کا دایاں ہاتھ نرم سی چیز سے ٹکرایا یہ دیکھ کر آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ تولیہ تھا وہ تیزی سے اٹھا اور دوڑتے ہوئے آدمی کے پیچھے لپکا۔ اس نے سڑک کے کنارے اس کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اجنبی اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز سن کر رُک گیا راشد نے تولیہ اور پانچ سو روپے اس کے ہاتھ میں تھمائے اور واپس بھاگ لیا۔ اجنبی حیرانی سے دونوں چیزوں کو گھور رہا تھا۔

واپسی پر راشد نے حیرت سے نعمان کو دیکھا جو آئس کریم اور بوتلوں کو بینچ پر رکھ کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ راشد نے پوچھا "تم کیا تلاش کر رہے ہو؟" نعمان بولا "تولیہ ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"تولیہ؟"

"ہاں! تولیہ جو میں نے پارک آتے ہوئے احتیاطاً ساتھ لے لیا تھا۔ مگر تم کہاں گئے ہوئے تھے؟" مگر راشد کیا جواب دیتا۔ اس کے کان سُن ہو رہے تھے!!

قائداعظمؒ نے فرمایا انتخاب: شبیر احمد صدیقی

☆ اے مسلمانو! اگر تم آپس میں لڑتے رہو گے تو کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ اور تم الگ الگ ہو جائے گے۔ (۱۲ نومبر ۱۹۶۱ء)

☆ ڈگمگائے بغیر اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے کھڑے رہو۔

☆ پاکستان ہی سے ہماری نجات، دفاع اور تقدیر وابستہ ہے۔ (۲۴ دسمبر ۱۹۶۱ء)

نہ کسی کے دل کا قرار ہوں

شاعر: ابوظفر بہادر شاہ ظفر
انتخاب: محمد زاہد سلیم آرائیں، کراچی

نہ کسی کی آنکھ کا نُور ہوں، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غُبار ہوں
مرا رنگ و روپ بِگڑ گیا، میرا یار مجھ سے بِچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اُجڑ گیا میں اسی کی فصلِ بہار ہوں
پڑھے فاتحہ کوئی آئے کیوں، کوئی چارا پھُول چڑھائے کیوں
کوئی آکے شمع جلائے کیوں، میں وہ بے کسی کا مزار ہوں
میں نہیں ہوں نغمہ جانفزا، مجھے سُن کے کوئی کرے گا کیا
میں بڑے بروگ کی ہوں صدا، میں بڑے دُکھوں کی پُکار ہوں

ایک خط

جس نے مجھے ادیب بنا دیا...

آر ایم راشد محمود، ساہیوال

میرا ایک خط جو بھولے بھٹکے سے میرے پسندیدہ رسالے میں شائع ہوگیا۔ جب اپنا نام اس رسالے کے خطوط کالم میں دیکھا تو اتنا خوش ہوا کہ مٹھائی بانٹنے کو جی چاہا لیکن جیب نے اجازت نہ دی۔ اس خط کے چھپنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہم اپنے آپ کو ادیب کہلوانے لگے۔ ہمارا نام رسالے میں چھپ گیا تو ہم نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور گھر کے ہر فرد کو دکھایا "دیکھئے ہمارا نام" گھر والوں کو یقین نہ آیا کہ مابدولت کا نام ہے۔ "کسی اور کا نام ہوگا۔ تم کو کیسے معلوم کہ یہ نام تمہارا ہے؟" جب ہم نے انہیں گاؤں کا نام دکھایا تو تب کہیں جاکر انہیں یقین آیا۔ گھر میں ہر طرف اب ہماری تعریفیں ہو رہی تھیں۔ جب تعریفوں سے پیٹ بھر گیا تو ہم نے رسالہ ہاتھ میں لیا اور اپنے ہمسایوں کو دکھانے لگے۔ ہمسایوں کے بچے ہمیں بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھتے اور دیکھتے رہ جاتے۔ گویا ان کی نظر میں یہ کوئی کارنامہ تھا۔ جو ہم نے بذات خود بلکہ بقلم خود سرانجام دیا تھا۔ ہم بھی اس کارنامے پر ایسے خوش تھے جیسے کوئی نشان حیدر کا اعزاز ملا ہو حالاں کہ یہ اعزاز شہادت پانے کے بعد ملتا ہے۔

ہم پر ہر طرف سے سوالوں کی بوچھاڑ اس طرح ہو رہی تھی جیسے صدر صاحب پر اخباری نمائندے کرتے ہیں کوئی کچھ پوچھ رہا تھا تو کوئی کچھ۔ کسی نے کہا، "کتنے پیسے دیے تھے ایڈیٹر صاحب کو نام شائع کرانے کے؟" کوئی التجا کر رہا تھا کہ ہمارا نام بھی اس رسالے میں چھپوا دیجئے۔

ایک دو جل ککڑوں نے اپنے ریمارکس پاس کئے کہ رسالے والے اس کے ابو کے دوست ہیں جبھی تو نام چھپ گیا۔ یہ سن کر ہمیں غصہ تو بہت آیا مگر یہ سوچ کر پی گئے کہ ادیب بننے کے لئے مشق، مطالعہ اور لگن کے ساتھ ساتھ بڑے صبر اور حوصلے کی بھی ضرورت ہوتی ہے.....!!

امید کا ستارہ

شہباز اکبر اُلفت، پشاور

کہتے ہیں لوگ مجھ کو اُمید کا ستارا
بچّہ ہوں میں اگرچہ ننھا سا پیارا پیارا

مایوس میں کسی کو ہرگز نہ ہونے دوں گا
اپنے وطن کی خِدمت میں شوق سے کروں گا

بن جاؤں گا کسی دن میں قوم کا مسیحا
روشن کروں گا لوگوں میں نام اس وطن کا

اہلِ وطن کا دامن خوشیوں سے میں بھروں گا
ان کے لئے جیئوں گا ان کے لئے مروں گا

ہو گا نہ غمزدہ پھر کوئی مرے وطن میں
خوشیوں کے گُل کِھلیں گے اُلفت مرے چمن میں

ہچکی اور ماموں

عبدالباسط، ہری پور

ہچ...... ہچ...... ہچ......! ہماری ہچکی رکنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ مسلسل آدھے گھنٹے سے ہچکی لگی ہوئی تھی۔ اس دوران ہم اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کے نام گن چکے تھے۔ بزرگوں سے سنا تھا کہ ہچکی اس وقت لگتی ہے جب کوئی یاد کر رہا ہو۔ تو ہم نے سوچا کہ ہو سکتا ہے شاید کسی کے یاد کرنے سے ہچکی بند ہو جائے مگر ہچکی پھر بھی بند نہ ہوئی تھی۔

ابھی ہم اپنے کمرے میں بیٹھے ہچکی بند کرنے کا طریقہ سوچ ہی رہے تھے کہ امی کمرے میں داخل ہوئیں اور کہا۔ "آ کر کھانا کھالو۔"

"امی ...... ہچ مجھے بھوک ہچ...... نہیں...... ہچ!"

"ہائیں تمہیں کیا ہوا ہے؟" امی حیرانی سے بولیں۔

تو ہم پھر ہچ ہچ کرنے لگے۔ "وہ ...... امی ...... مجھے ...... ہچ ...... آدھے گھنٹے سے ...... ہچ ...... ہچکی لگی ...... ہچ ...... ہوئی ہے۔ ...... اور ہچ رکنے کا نام ...... ہچ نہیں لے رہی ہے ہچ......!"

اسی دوران سعید ماموں کمرے میں داخل ہوئے اور ہماری حالت دیکھ کر غصے سے بولے تم نے کل سو کا نوٹ میرے کپڑوں کی جیب میں سے نکالا تھا وہ شرافت سے واپس کر دو ورنہ وہ مار لگاؤں گا کہ یاد رکھو گے۔" ماموں کے خطرناک تیور دیکھ کر ہم حیران و پریشان ہو گئے کہ ماموں کون سے نوٹ کی بات کر رہے ہیں۔ ہم تو ان کے کپڑوں کے پاس تک نہیں گئے۔

چناں چہ گھبرا گئے جلدی سے بولے۔ "ماموں! آپ کون سے نوٹ کی بات کر رہے ہیں؟ ہم نے تو آپ کی جیب سے کوئی نوٹ نہیں نکالا!!"

اس پر ماموں ایک دم خوشی سے چیخ اٹھے۔ "دیکھا ناں بچو! بند کر دی تمہاری ہچکی۔ میرا کوئی نوٹ نہیں چوری ہوا تھا میں نے تو تمہاری ہچکی بند کرنے کے لئے تمہیں گڑبڑایا تھا۔ سنا ہے اس طرح ہچکی بند ہو جاتی ہے۔" ماموں کی ہی بات سن کر ہم نے سکون کا ایک گہرا سانس لیا اور امی کے ساتھ کھانے کی میز پر چل دیئے۔ واقعی ہماری ہچکی رک چکی تھی!!

پھول اور کلیاں

ملیحہ معین، کراچی

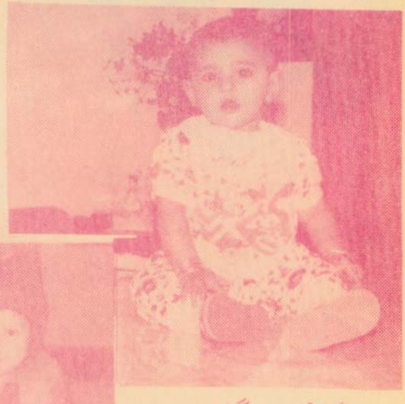
گڈا نہیں میں گڑیا ہوں ۔

جاڑا دھوم مچاتا آیا ۔ کپڑے گرم پہناتا آیا

کامران، امراوتی (انڈیا)

گنجوں کا ٹولہ (محمد حسن، ربیعہ، حیدرآباد)

کامران عرف کامی

کیسی لگ رہی ہوں میں (عفیفہ، بحرین)

میں بھی گڑیا وہ بھی گڑیا

گھوڑے پر سوار (نمرہ کراچی)

طوبیٰ، بحرین

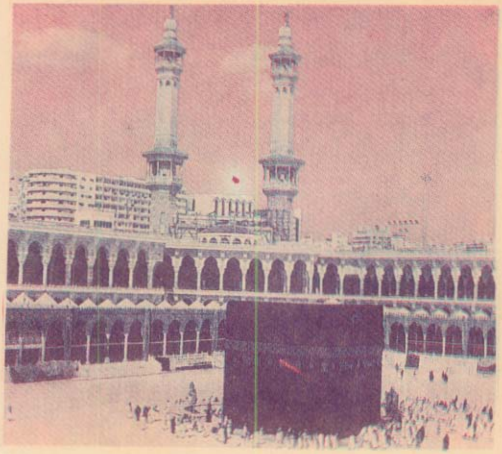

آخری بات

ابوداؤد رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازبؓ سے ملاقات کی تو انہوں نے مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ تھام لیا اور میرے ساتھ ہنسے اور بولے کہ "تمہیں معلوم ہے میں نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" میں نے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم مگر اتنا دیکھتا ہوں کہ جو آپ نے کیا اچھا ہی کیا۔" وہ بولے "مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کی اور آپؐ نے میرے ساتھ وہی کیا جو میں نے تمہارے ساتھ کیا۔ انہوں نے بھی مجھ سے وہی پوچھا جو میں نے ابھی تم سے پوچھا۔ جو جواب تم نے مجھے دیا وہی میں نے رسولؐ اللہ کی خدمت میں عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا : "جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں اور ایک دوسرے کو سلام کریں اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں اور یہ ہاتھ اللہ ہی کے لئے تھامتے ہیں، تو جب تک وہ جُدا نہیں ہوتے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔"

اللہ اللہ ---- اللہ کے لئے ایک دوسرے سے ملنے کی فضیلت اور اس کا اجر ---- آج کے مسلمان جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کیا انہیں یہ علم ہوتا ہے کہ ان کی مغفرت کردی جائے گی؟

Join the
Snowhite
GIFT BONANZA
GIFTS FOR EVERY ONE
The ultimate gifts Bonanza only from Snowhite
1st Prize
Return Tickets of SINGAPORE for a Couple.
2nd Prize
A Beautiful gold set.
3rd Prize
Return ticket for a Couple with 2 days Stay PC BHURBAN
4th Prize
3 Gifts Philips Power Vision 20" Color Tlevision.
5th Prize
3 Gifts Microwave Oven.
6th Prize
Philips CD Player.
PLUS MANY MANY MORE
PRIZES | QTY. | PRIZES | QTY.
Vacuum Cleaners | 02 | Philips Sandwich Makers | 10
Philips Automatic Irons | 10 | Philips Electric Shavers (For Men) | 05
Philips Toasters | 10 | Philips Hairdryers | 10
Philips Juicers | 05 | Cross Pens | 15
Philips Citrus Sets | 10 | (Ladies) Wrist Watches | 25
Wall Clocks | 75
REMEMBER: This offer is valid from 1st Oct for limited period and only for KARACHI.
Snowhite
DRY CLEANING INDUSTRIES
Karachi - Multan - Lahore - Rawalpindi - Islamabad
Rush to your nearest Snowhite today.
A. Haroon Road, Tel: 5685124-3 Lines
Bahadurabad, Tel: 4933690
Clifton, Tel: 573298
Burns Road, Tel: 213336
Jamshed Road, Tel: 4910521
Hyderi Market N. Nazimabad, Tel: 6640078
Clifton, near Bilawal House Tel: 5860240
Defence Zamza Blvd Tel: 539146
Defence, V Tel: 5860240
Defence Mkt. Phase II, Tel: 5685124-3
Shahrah-e-Faisal Tel: 4541258
University Road. Tel: 5685124-3
Kharadar, Tel: 204176

REGD No. M 266 DECEMBER 1995
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI

Interflow